کی حیات اور دینی وملی خدمات کی سرگزشت

تذکرۂ ماجد

ترتیب

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر:

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

نبیرۂ فضل رسول مجاہد آزادی حضرت مولانا حکیم ابوالمنظور عبدالماجد قادری عثمانی بدایونی

کی حیات اور دینی وملی خدمات کی سرگزشت

تذکرۂ ماجد

ترتیب

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف (یو۔پی)

نام کتاب	:	تذکرۂ ماجد
ترتیب	:	مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری
اشاعت باراول	:	جولائی ۲۰۰۸ء/رجب ۱۴۲۹ھ
تعداد	:	۱۱۰۰ (گیارہ سو)
صفحات	:	۱۳۶
کمپوزنگ	:	عثمانی کمپیوٹرز مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں
ناشر	:	تاج الفحول اکیڈمی بدایوں
قیمت	:	

ملنے کے پتے:-

۱۔ تاج الفحول اکیڈمی، مدرسہ قادریہ مولوی محلّہ بدایوں۔
فون:09358563720

۲۔ مکتبہ جامِ نور، ۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-۶

۳۔ مولانا عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری،
مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

انتساب

مدرسہ شمس العلوم بدایوں

کے نام

جس کا بلند و بالا مینار پھر کسی ''عبدالماجد'' کی راہ تک رہا ہے،

جو اس کو اس کی عظمت رفتہ سے ہمکنار کر دے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب

اک آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آئے

دُعا

وامح ذنوبا بها الاخلاق ضائقة
وفرج الهمّ ربی انت مقتدر
مولائی صل علی المختار شافعنا
خیر البریة من سعدت به مضر
والآل والصحب والاتباع جامعة
کانوا مطیع رسول اللہ ذی القدر

از

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

فہرست مشمولات

☆☆☆

حرفِ آغاز

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

شعبان ۱۴۲۹ھ میں مولانا عبدالماجد بدایونی کی ولادت کو ۱۲۵؍سال مکمل ہونے جا رہے ہیں۔ مولانا بدایونی کی قائم کردہ انجمن ترقی علوم دینیہ حنفیہ کے ارباب حل وعقد بالخصوص صدر انجمن حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ آستانہ قادریہ بدایوں) اور انجمن کے جنرل سکریٹری الحاج خواجہ احتشام الدین صاحب قادری (خطیب وامام عیدگاہ بدایوں) نے یہ منصوبہ بنایا کہ اس موقع کو یادگار بنانے کے لئے مولانا بدایونی کے قائم کردہ ''کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم'' کی تجدید وتوسیع کر کے اس کو پبلک لائبریری میں تبدیل کر دیا جائے، لائبریری کا نام ''مولانا عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری'' تجویز کیا گیا۔ ۴؍شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۷؍اگست ۲۰۰۸ء کو اس لائبریری کا افتتاح ہونا طے پایا۔ یہ بھی تاریخ کا ایک عجیب وغریب مذاق ہے کہ کسی ادارے کا جلسۂ افتتاح اس کے قیام کے ۹۰ سال بعد ہو رہا ہے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی نے مدرسہ شمس العلوم میں کتب خانہ کی عظیم الشان عمارت تعمیر کروائی تھی، ہزاروں کتابیں فراہم کی تھیں، ان تمام زہرہ گداز مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۱۹ء/۱۹۲۰ء میں اس کتب خانہ کا افتتاح ہونا تھا، جلسۂ افتتاح کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، جلسہ کی صدارت کے لئے والیٔ ریاست بھوپال کی منظوری آچکی تھی کہ اچانک تحریک ترک موالات شروع ہو گئی، مولانا کی تمام تر توجہات اس تحریک پر مرکوز ہو گئیں اور کتب خانہ کے افتتاح کا سارا منصوبہ صرف کاغذی زینت بنا رہ گیا۔ اب لگ بھگ ۹۰ سال بعد مولانا کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے جا رہا

ہے۔ مولانا نے جس عظیم لائبریری کا خواب دیکھا تھا انشاء اللہ بہت جلد ''مولانا عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری'' اس کی تعبیر بن کر سامنے آئے گی۔

لائبریری کے افتتاح کے ساتھ ساتھ مولانا کے مورث اعلیٰ حضرت قاضی دانیال قطری سے منسوب ''قاضی دانیال انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن اینڈ کمپیوٹر ٹیکنالوجی'' کا قیام بھی مدرسہ شمس العلوم میں کیا جارہا ہے۔ جس کا افتتاح بھی اسی موقع پر ہونا ہے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی نے مدرسہ شمس العلوم میں ''دارالحدیث عثمانیہ'' قائم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ دارالحدیث کی عمارت کا نقشہ تیار کروایا گیا، عمارت کا تخمینہ آج سے ۹۰ سال پہلے ایک لاکھ روپیہ تھا۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نے کیسے عظیم الشان دارالحدیث کا خواب دیکھا تھا۔ مولانا کا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ انجمن ترقی علوم دینیہ حنفیہ نے اس منصوبے کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا ہے۔ انشاءاللہ آئندہ سال شعبان ۱۴۳۰ھ میں مولانا کے ۸۰ رویں یومِ وفات پر ''دارالحدیث عثمانیہ'' کا افتتاح عمل میں آئے گا اور شوال سے دارالحدیث میں حدیث پاک کے درس وتدریس کا آغاز کردیا جائے گا۔ مدرسہ شمس العلوم کی خاموش فضا ایک بار پھر **قال اللہ قال الرسول** کے پُرکیف نغموں سے گونج اُٹھے گی (انشاءاللہ)۔

مولانا کے ۱۲۵ رویں یوم ولادت کے موقع پر ''جشن ماجد'' کے نام سے جن تقریبات کا انعقاد کیا جارہا ہے ان کو دیکھتے ہوئے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ مولانا کی شخصیت اور ان کی عظیم الشان قومی وملی خدمات کے تعارف پر کوئی کتابچہ یا کتاب منظر عام پر لائی جائے۔ میں نے یہ مشورہ انجمن کے ذمہ داران کو دیا تو اس کا خمیازہ مجھے یہ بھگتنا پڑا کہ اس کتاب کی جمع وترتیب اور طباعت واشاعت کی تمام ذمہ داریاں مجھ جیسے غیر ذمہ دار کے سپرد کردی گئیں۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

وقت کی قلت، اپنی مصروفیات، نااہلی اور مواد کے بکھراؤ کے باوجود عجلت میں جو کچھ ہوسکا وہ حاضر ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں - مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ زیرِ نظر کتاب سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے قدیم و جدید کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی، مجھے مکرمی ڈاکٹر شمس بدایونی کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ:

''مولانا ماجد کی مذہبی وملی کارگزاریاں ہماری قومی تاریخ کا حصہ ہیں لیکن یہ تمام کارگزاریاں بکھرے واقعات، منتشر کوائف، بے ترتیب اشاروں اور حوالوں کی صورت میں جہاں تہاں نظر آتی ہیں۔ ان کو جب تک ریزہ ریزہ جمع نہیں کیا جائے گا مولانا کی شخصیت کے صحیح خدو خال ابھر کر سامنے نہیں آسکیں گے''۔ (معارف اکتوبر ۲۰۰۷ء)

ان بکھرے واقعات، منتشر کوائف، بے ترتیب اشاروں اور حوالوں کو ریزہ ریزہ جمع کرنے کی نہ مجھ میں اہلیت ہے اور نہ فی الحال فرصت، اس لئے اگر کوئی صاحب نظر ناقد یہ کہے کہ

''اس میں پیش کردہ مواد مولانا سے متعلق دست یاب معلومات و مواد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کرسکا''

تو مجھے بھی وہ اپنا ہم نوا پائے گا۔ یہ کتاب کسی مستقل تحقیقی اور سوانحی کام کے زمرے میں نہیں آتی محض وقتی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر ترتیب دی گئی ہے۔ ہاں البتہ مولانا بدایونی پر آئندہ تحقیقی اور تفصیلی کام کرنے والوں کے لئے نشان منزل نہ سہی سراغ راہ تو ضرور فراہم کرتی ہے۔

اس تذکرہ کے مشمولات پر مختصراً کچھ عرض کرنا ضروری ہے:

۱۔ **خاندانی شجرہ** - یہ شجرہ اکمل التاریخ مصنفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی اور نسب نامۂ خاندان عثمانی مرتبہ محمد فرید اقبال قادری سے ماخوذ ہے۔

۲۔ **تذکرۂ طیبہ** - مولانا ضیاء القادری بدایونی نے مولانا عبد الماجد بدایونی کے مرید خاص جناب شیخ علی بخش قادری صاحب ٹھیکیدار مرحوم کی فرمائش پر مولانا کے حالات ۸، ۹ رمحرم ۱۳۵۱ھ کو قلم برداشتہ تحریر فرمائے جو نظامی پریس بدایوں سے ''تذکرۂ طیبہ'' (تاریخی نام) کے نام سے شائع ہوئے۔ تذکرۂ طیبہ میں ابتداء تا ص ۳۴ مولانا بدایونی کے حالات ہیں۔ ص ۳۵ تا ۵۰ ''روداد دل خراش'' کے نام سے مولانا بدایونی کا مرثیہ ہے۔ ص: ۵۱ تا ۶۷ مثنوی ''مشق تقریر'' ہے۔ اس کے بعد ۲ صفحات میں قطعات تاریخ ہیں۔ مرثیہ، مثنوی اور قطعات سب لسان الحسان مولانا ضیاء القادری بدایونی کے افکار عالی کا نتیجہ ہیں۔

ہم نے ''تذکرۂ طیبہ'' کے حالات والے حصہ اور مثنوی کو تلخیص و اختصار کے ساتھ شامل کتاب کیا ہے۔

تذکرۂ طیبہ میں بعض ذیلی سرخیاں پہلے سے موجود تھیں، کچھ کا ہم نے اضافہ کیا ہے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں تھیں جن کو ذوق سلیم اور قرینہ وقیاس کی بنیاد پر درست کر دیا گیا ہے، کچھ اقتباسات اور بعض جملے حذف بھی کر دیئے گئے ہیں کہیں تو اختصار کی خاطر اور کہیں اس وجہ سے کہ آج کے بدلے ہوئے سیاسی اور مذہبی منظر نامے میں یہ جملے بعض حضرات کی دل آزاری کا باعث بن سکتے تھے۔

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
ما قصۂ سکندر و دارا نخواندیم

۳۔ **مدرسہ شمس العلوم بدایوں** - پروفیسر ایوب قادری کا یہ مضمون سب سے پہلے (ہماری معلومات کی حد تک) مجلّہ ''علم و آگہی'' کراچی کے خصوصی شمارے ۷۵-۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ماہنامہ ''مجلّہ بدایوں'' کراچی نے شائع کیا۔ ادارہ مجلّہ بدایوں نے مجلّہ میں ۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۳ء تک طبع شدہ مضامین سے انتخاب کر کے ''انسائیکلو پیڈیا آف بدایوں'' شائع کی، اس کی چوتھی جلد بدایوں کی عمارات سے متعلق

مضامین پر مشتمل ہے۔ یہی جلد ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں ص ۵۴ تا ۵۶ یہ مضمون شامل ہے۔ جو بعینہ اس کتاب میں شائع کیا جارہا ہے۔

۴۔ **خطیب الامۃ مولانا عبدالماجد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ** ۔ یہ تعزیتی مضمون سید سلیمان ندوی نے مولانا بدایونی کی وفات پر لکھا تھا جو ''معارف'' شمارہ جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ پھر محمد اسرارالحق قادری مرحوم نے ''تواریخ وصل وانتقال'' (ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء) میں شائع کیا۔

۵۔ **حضرت مولانا عبدالماجد مرحوم کی خطابت** ۔ سید حسن ریاض ایڈیٹر ''ہمت'' بلند شہر کا یہ مضمون بھی ''تواریخ وصل وانتقال'' میں شائع کیا گیا تھا وہیں سے اس کو لیا گیا ہے۔

۶۔ **مثنوی مشق تقریر** ۔ مولانا ضیاء القادری کی فکر عالی کا نتیجہ ہے۔ اس میں کل اشعار ہیں طوالت کے خوف سے پوری مثنوی شامل کرنے کی بجائے ہم نے انتخاب کا راستہ اختیار کیا۔ بہت سے اشعار حذف کردیئے ہیں مگر اس طرح کہ معنوی تسلسل برقرار رہے۔

۷۔ **پارہ ہائے جگر** ۔ بدایوں کے استاذ شاعر مولوی تولا حسین تولاؔ بدایونی کا دردانگیز مرثیہ ہے۔ ملا عبدالصمد مقتدری نے ۱۹۳۱ء میں ادبی پریس لکھنؤ سے اپنے مقدمہ کے ساتھ کتابچہ کی شکل میں شائع کیا تھا۔ اس میں اختصار کے پیش نظر کچھ بند حذف کردیئے گئے ہیں۔

۸۔ **کلام منظور** ۔ مولانا بدایونی کے کلام کا یہ ایک مختصر انتخاب ہے۔ مولانا کا کلام عرس قادری کی روداد وں، مختلف کتابچوں اور نعت خوانوں کی بیاضوں میں بکھرا ہوا ہے۔ گو یہ سب چیزیں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہیں لیکن ان سے کلام جمع کرنا ایک طول عمل ہے جس کا فی الحال وقت نہیں ہے۔ للہذا سرسری تلاش کے بعد جو کلام میسر آسکا وہ شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

کتاب کی ترتیب، کمپوزنگ اور تصحیح نہایت عجلت میں کی گئی ہے ہر قسم کی غلطی کا صد فی صد امکان ہے۔ اہل نظر سے گزارش ہے کہ کسی تاریخی یا تحقیقی تسامح پر مطلع ہوں تو ضرور آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ غلطی کو درست کیا جا سکے۔

میں اپنے ان تمام احباب کا مشکور ہوں جنھوں نے کسی بھی حیثیت سے اس کتاب کی ترتیب واشاعت میں اپنا پُر خلوص تعاون پیش کیا ہے۔

اسید الحق قادری

مولانا عبدالماجد بدایونی

کا

خاندان

قاضی دانیال قطری عثمانی

(۶۰۰ھ میں قطب الدین ایبک کے عہد میں قاضی عساکر کے عہدے پر سلطان شمس الدین التمش کی فوج کے ساتھ بدایوں تشریف لائے۔ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۱۴/واسطوں سے امیر المومنین جامع قران سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔)

قاضی شمس الحق الملقب بہ قاضی رکن الدین

قاضی سعد الدین بے گواہ

شیخ محمد راجی

مولانا عبد الشکور عثمانی

مولانا شیخ مودود عثمانی

شیخ معروف عثمانی

قاضی حمید الدین عثمانی

مفتی کریم الدین عثمانی

مولانا شیخ عزیز اللہ عثمانی

مولانا شیخ عبد الغفور عثمانی

مولانا شیخ مصطفیٰ عثمانی

مولانا محمد شفیع عثمانی متوفی ۱۱۰۰ھ

مولانا محمد شریف عثمانی متوفی ۱۱۲۴ھ

مولانا محمد سعید چشتی عثمانی متوفی ۱۱۹۵ھ
(مرید و خلیفہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی)

مولانا عبد الحمید قادری عثمانی متوفی ۱۲۳۳ھ
(مرید و خلیفہ شمس مارہرہ حضرت ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ)

حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری عثمانی بدایونی متوفی ۱۲۶۳ھ
(مرید و خلیفہ شمس مارہرہ حضرت ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی
و استاذ خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی)

حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری عثمانی
سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول
قادری بدایونی (م ۱۲۸۹ھ)
دختر زوجہ حکیم غلام احمد عثمانی
مجاہد آزادی مولانا فیض احمد رسوا بدایونی
حکیم سراج الحق عثمانی
حضرت مولانا مظہر محمود محی الدین
قادری عثمانی (م ۱۲۷۰ھ)
حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر
محبّ رسول قادری بدایونی (۱۳۱۹ھ)
مولانا حکیم مرید
جیلانی (م ۱۲۹۷ھ)
سرکار صاحب الاقتدار
حضرت مولانا مطیع الرسول
عبد المقتدر قادری
بدایونی (م ۱۳۳۴ھ)
حضرت عاشق الرسول
مولانا شاہ عبد القدیر
قادری بدایونی (م ۱۳۷۹ھ)
مولانا حکیم عبد القیوم شہید
قادری عثمانی (م ۱۳۱۸ھ)
حضرت مولانا ابو المنظور عبد الماجد
قادری مقتدری بدایونی (م ۱۳۵۰ھ)
حضرت مولانا عبد الحامد قادری عثمانی (م ۱۳۹۰ھ)
(صدر جمعیۃ علماء پاکستان)

حضرت مولانا ابوالمنظور عبدالماجد قادری مقتدری بدایونی
مولانا عبدالواجد قادری عثمانی
مولانا عبدالواحد قادری عثمانی (م ۱۳۹۵ھ)
محمد قاسم عثمانی
محمد منصور عثمانی
محمد محمود عثمانی قادری
محمد مسعود عثمانی

☆☆☆

حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
جناب عابد القادری
(پاکستان میں وفات پائی)
جناب زاہد القادری (مقیم امریکہ)
ڈاکٹر عفان عثمانی
حامد ولید قادری
عامر قادری
عارف قادری
کامران قادری
مشہود قادری
محمد علی قادری

☆☆☆

مولانا عبدالماجد بدایونی

شخصیت اور خدمات

اسید الحق قادری بدایونی

ولادت، تعلیم، بیعت:- حضرت مولانا ابوالمنظور حکیم عبدالماجد قادری بدایونی خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں شریف کے عظیم وجلیل فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۴؍شعبان ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۱۸۸۷ء کو مولوی محلّہ بدایوں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا عبدالمجید مقتدری آنولوی اور حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب قادری بدایونی سے حاصل کی، درس نظامی کی منتہی کتابیں استاذ العلماء حضرت مولانا محبّ احمد قادری بدایونی سے پڑھیں اور تکمیل سرکار صاحب الاقتدار حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ سے فرمائی۔ بعض اسباق والدگرامی حضرت مولانا حکیم عبدالقیوم شہید اور جد محترم حضور تاج الفحول سیدنا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ سے بھی سماعت کئے۔ ۱۳۲۰ھ میں سرکار صاحب الاقتدار نے سند فراغت عطا فرمائی۔ اس کے بعد دو سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام رضا خاں کے پاس طب کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں حکیم صاحب نے سند فراغت سے نوازا جس پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے بھی دستخط کئے۔

جب حضرت تاج الفحول نے سرکار صاحب الاقتدار سیدنا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کو اجازت وخلافت سے نوازا تو مولانا حکیم عبدالقیوم شہید صاحب نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالماجد بدایونی کو سرکار کے دست حق پرست پر بیعت کروایا، اس طرح آپ کو سرکار کا سب سے پہلا مرید ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعد میں سرکار صاحب الاقتدار نے آپ کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔

قومی و سیاسی خدمات - مولانا نے اپنے زمانے کی تمام اہم قومی، ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۲ء)، خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء)، جمعیۃ العلماء (۱۹۱۹ء)، تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء)، تحریک تبلیغ (۱۹۲۲ء)، تحریک تنظیم (۱۹۲۴ء)، مسلم کانفرنس (۱۹۲۹ء) ہر تحریک میں ایک فعال کارکن، مشیر خصوصی، مخلص کارگزار اور اس تحریک کے مبلغ وواعظ کے طور پر شریک رہے، مدتوں صوبائی خلافت کمیٹی کے صدر رہے، انڈین نیشنل کانگریس کے رکن رہے۔ (ڈاکٹر شمس بدایونی: مضمون ''مولانا عبدالماجد بدایونی'' مطبوعہ معارف اعظم

گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص: ۲۹۳)

سید سلیمان ندوی مولانا کے قائدانہ کردار کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، مسلم کانفرنس، یہ وہ تمام مجالس ہیں جو ان کے خدمات سے گراں بار ہیں''۔ (معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۲ء)

مولانا عبد الماجد بدایونی نے خلافت کمیٹی کے اجلاس بمبئی، اجلاس ناگپور اور اجلاس کلکتہ سمیت کئی جلسوں کی صدارت کی۔ مجلس خلافت نے شریف حسین اور ابن سعود کے تنازع کا جائزہ لینے اور ان کے درمیان تصفیہ کا ماحول پیدا کرنے کے لئے ایک وفد حجاز بھیجا جس میں مولانا عبد الماجد بدایونی بھی ایک اہم رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے اور حجاز ومصر کا دورہ فرمایا۔ (اس وفد خلافت کی نوعیت، کارکردگی اور نتائج کا تذکرہ تفصیل طلب ہے، فی الحال ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے دیکھئے: ۱۔ نگارشات محمد علی: مرتبہ رئیس احمد جعفری، ادارۂ اشاعت اردو حیدر آباد دکن ۱۹۴۴ء، ۲۔ تاریخ نجد وحجاز: مفتی عبد القیوم ہزاروی، ص: ۲۴۷ تا ۲۵۸، رضوی کتاب گھر طبع چہارم ۲۰۰۰ء، ۳۔ سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی کارنامے: ڈاکٹر سید محمد ہاشم، ص: ۱۲۶۔۱۲۷، علی گڑھ ۱۹۹۵ء۔)

مولانا ایک ہمہ جہت اور سیماب صفت شخصیت کے مالک قائد ورہنما تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی مسلکی، قومی یا سیاسی کام کی دھن میں رہتے تھے۔ آپ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور اوقات خدمت دین کے لئے وقف کردیتے تھے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''جماعت علماء میں یہی ایک ہستی تھی جس کی زندگی کے ایک لمحہ کو بھی کسی وقت چین نصیب نہ ہوا۔ ہر وقت اور ہر نفس ان کو کام کی ایک دھن لگی ہوئی تھی جس کے پیچھے ان کا آرام چین، اہل وعیال اور جان و مال ہر چیز قربان تھی۔ یہ سماں بھی گذرا ہے کہ ان کے گھر میں کفن دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لئے کانپور ولکھنؤ کی تگ ودو میں مصروف ہیں''۔ (معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۲ء)

مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر ''سچ'' اپنے تعزیتی مضمون میں لکھتے ہیں:-

''جس تحریک میں شریک ہوئے دل و جان، شغف و انہماک، مستعدی و سرگرمی سے شریک ہوئے جس کام کو ہاتھ لگایا اس میں جان ڈال دی، زندگی کے آخری ۱۱-۱۲/سال کا ہر گھنٹہ بلکہ کہنا چاہیے ہر منٹ قومیات کے لئے وقف تھا، سکون و راحت کا کوئی زمانہ نہ تھا۔ مسلسل علالتوں اور پیہم خانگی صدمات کے باوجود کام کے پیچھے دیوانے تھے اور ایک جگہ بیٹھنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ تیز بخار چڑھا ہوا ہے اور حجاز کانفرنس کے اہتمام میں مصروف، سینہ میں درد ہو رہا ہے اور امین آباد پارک میں محفل میلاد ڈھائی ڈھائی تین تین گھنٹہ تک بیان ہو رہا ہے۔ شانہ میں ورم، ہاتھ جھولے میں پڑا ہوا ہے لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ مجلس تنظیم کی مجلس عاملہ میں شرکت نہ ہو؟ والدہ ماجدہ نزع میں اور مولانا کانپور میں تقریر کر رہے ہیں۔ بیوی کی آخری سانسوں کی اطلاع آرہی ہے اور آپ ہیں کہ دہلی کی جامع مسجد میں خود رو رو کر دوسروں کو رلا رہے ہیں۔ کل لکھنؤ تھے، آج کلکتہ پہنچ گئے، عید کا چاند لاہور میں دیکھا تھا نماز آکر میرٹھ میں پڑھی، صبح پٹنہ میں تھے شام کو معلوم ہوا کہ دکن کے راستہ میں ہیں۔ عجیب و غریب مستعدی تھی عجیب تر ہمت مردانگی''۔ (سچ ۲۵/دسمبر ۱۹۳۱ء)

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:-

''مولانا عبدالماجد نہایت ذہین عالم اور بے مثل مقرر تھے، انھوں نے تحریکِ خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، مسلم کانفرنس اور جمعیۃ العلماء سب میں حصہ لیا۔ وہ علی برادران کے دست راست تھے، انھوں نے تمام ملک کو چھان مارا اور ملک کی سیاسی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کی سیاست میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ انھوں نے شدھی اور سنگٹھن کے

زمانے میں آگرہ اور بھرت پور کے علاقہ میں ایک جماعت بھیجی، ان کے بعض متوسلین نے آگرہ میں ڈیرے جما دیئے اور ایک رسالہ نکالا"۔

(مقالہ "عہد برطانیہ میں علماء بدایوں کے سیاسی رجحانات": ماہنامہ مجلّہ بدایوں کراچی، شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء)

اسی مقالہ میں آگے لکھتے ہیں:-

"مولانا عبدالماجد کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے میں کام کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی، جس نے ان کے بعد مذہبی اور سیاسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں"۔ (مرجع سابق)

محترم ضیاء علی خاں بدایونی نے اپنی کتاب "ہست و بود" میں فرزندان بدایوں کی قومی اور سیاسی جد و جہد کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کے چند متعلقہ اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں جن سے مولانا عبدالماجد بدایونی کی قومی اور سیاسی خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔

بدایوں میں خلافت کمیٹی کا قیام :- جولائی ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی جوہر نے خلافت کمیٹی قائم کی جس کا مقصد ترکوں پر کیے گئے انگریزوں کے مظالم اور زیادتیوں کو بے نقاب کرنا تھا۔ مولانا عبدالماجد بدایونی اس کے سرگرم رکن تھے۔ ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ملک بھر کے مسلمان جوق در جوق اس میں شامل ہو گئے۔

(ہست و بود، ص: ۱۹۱- مطبوعہ بدایوں بار اول ۱۹۸۷ء)

جمعیۃ علماء ہند :- نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا انعقاد عمل میں آیا۔ انجمن خدام کعبہ اور انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی، بدایوں کے علما ان میں پیش پیش رہے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی، خواجہ نظام الدین صاحب بدایونی نیز مولانا قدیر بخش صاحب بدایونی اس کے خصوصی رُکن تھے۔ (مرجع سابق)

جمعیۃ علماء کانپور :- ادھر جمعیۃ علماء ہند نے کانگریس میں شمولیت کا اعلان کیا اُدھر بعض علماء نے کانگریس سے سیاسی نظریات میں اختلاف کے سبب جمعیۃ

سے علیحدگی اختیار کر کے دوسری جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل شروع کر دی۔ مولانا خواجہ نظام الدین صاحب نے تحریر کیا ہے کہ علی برادران، مولانا حسرت موہانی، حضرت اقدس مولانا عبدالقدیر بدایونی اور حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی جیسے رہنمایانِ آزادی جمعیۃ سے دور ہوتے گئے اور جمعیۃ علماء ہند کانپور مقابل میں رونما ہوئی۔ حضرت اقدس (مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب) جو صوبہ جمعیۃ کے صدر تھے حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی، حضرت مولانا نثار احمد صاحب کانپوری اور حضرت مولانا شاہ فاخر صاحب کے بعد جمعیۃ کانپور کے صدر تجویز کیے گئے۔ (مرجع سابق، ص:۱۹۸)

مذہبی مناظروں کا زمانہ :- ہنوز یہ سلسلہ جاری تھا کہ ہندوستان کی سیاست میں اچانک تبدیلی واقع ہوئی، ہندو مسلم اتحاد ختم ہو گیا۔ اس کا اثر بدایوں ضلع پر بھی پڑا، آریوں اور مسلمانوں نیز عیسائیوں اور مسلمانوں سے مذہبی مناظرے ہونے لگے۔ ان مناظروں میں بدایوں کے جن علماء نے حصہ لیا ان میں مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی، مولانا قطب الدین برہمچاری سہسوانی اور مولوی عبدالحق صاحب بدایونی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ اسی دوران شدھی سنگٹھن کا زور ہوا، تبلیغی تحریک نے شدت اختیار کی، چودھری بدن سنگھ اور بابو دھرم پال صاحب نے شدھی سنگٹھن کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مولانا عبدالماجد صاحب اور مولوی ادریس خاں صاحب نے تبلیغی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ (مرجع سابق)

بدایوں میں تبلیغی کانفرنس :- مولانا عبدالماجد صاحب نے گاندھی جی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد ۱۹۲۳ء میں بدایوں میں تبلیغی کانفرنس بلائی، جس کا اجلاس چراغ علی شاہ کے تکیے میں منعقد ہوا۔ کلکتہ کے سر عبدالرحیم صاحب نے اس جلسہ کی صدارت فرمائی۔ (ص:۲۰۰) (کانفرنس کا صحیح سن ۱۹۲۷ء ہے۔ اسید)

مولانا عبدالماجد بدایونی کی قومی اور سیاسی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے معتمد خاص اور تمام تحریکات میں ان کے ہم سفر مولانا عبدالصمد مقتدری بدایونی (نائب ناظم جمعیۃ علماء ہند صوبہ متحدہ) تحریر فرماتے ہیں:-

''دُنیا جانتی ہے کہ کلکتہ کے اسپیشل اجلاس کانگریس وخلافت میں تحریک ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے کیا کچھ نہ کیا اور جس وقت ترک موالات کا تصور کرتے ہوئے بھی دل و دماغ لرزتے تھے اس وقت آپ خلافت کانفرنس کے اسٹیج پر بحیثیت صدر ترک موالات کو مذہبی وقومی، ملی وملکی فرض بتا کر قوم وملک کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے رہے تھے اور یہ جذبۂ حریت صرف قول تک محدود نہ رہا بلکہ مردانہ وار آپ اس میدان میں اترے اور سرزمین ہند کا چپہ چپہ آپ نے چھان مارا۔ کانگریس سول نافرمانی کی تحقیقاتی کمیشن میں بھی مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم اور پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی کے ہمراہ مسلسل شریکِ سفر رہ کر دنیا کو اپنا جذبۂ حریت مسلم کرا دیا۔ (مقدمہ ''پارہائے جگر''ص:۴-۵، مطبوعہ ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۲۳ء)

مشہور کانگریسی لیڈر اور بدایوں سے پہلے رکن صوبائی اسمبلی بابو رگھو ویر سہائے لکھتے ہیں:-

''مولانا عبدالماجد بدایونی نے خلافت کے سمبندھ (سلسلہ) میں اپنے جوشیلے بھاشنوں (تقریروں) دوارا (کے ذریعہ) دیش ویاپی کھیاتی (ملک گیر شہرت) حاصل کر لی تھی اور گاندھی جی وعلی برادران کے نکٹ سمپرک (قریبی رابطے) میں آگئے تھے۔ انھیں کے آگرھ (درخواست) پر مہاتما گاندھی جی پہلی بار ۱۸؍مارچ سن ۱۹۲۱ء میں مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، کستور با گاندھی، سید محمد حسین سیکریٹری پرانتیہ (صوبائی) خلافت کمیٹی یوپی، مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی، مولانا نثار احمد کانپوری کے ساتھ پدھارے (آئے)''۔

(بدایوں ضلع کے سوتنتر تا سنگرام کا اتہاس 1947-1919 (ہندی) ص ۲۴، مطبوعہ ضلع ناگرک پریشد بدایوں ۱۹۷۴ء)

مولانا عبدالماجد بدایونی جس تحریک میں شریک ہوئے قائدانہ حیثیت سے شریک ہوئے۔

بے شمار اجلاسوں اور کانفرنسوں کی صدارت کی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کی موجودگی میں کسی اجلاس کی صدارت صدر اجلاس کی عظمت و رفعت مقام کی دلیل ہے۔ ایک سرسری تلاش کے بعد مولانا عبدالماجد بدایونی کی صدارت میں منعقد ہونے والے جن اجلاس یا کانفرنسوں کا پتہ لگا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ خلافت کانفرنس ناگپور ۱۹۲۰ء

۲۔ خلافت کانفرنس بمبئی ۱۹۲۱ء

۳۔ خلافت کانفرنس کلکتہ

۴۔ بہار ڈویزنل خلافت کانفرنس پٹنہ ۱۳۳۹ھ

۵۔ خلافت کانفرنس ضلع بیلگام کرناٹک ۱۳۳۹ھ

۶۔ اجلاس جمعیۃ علماء صوبہ راجستھان ۱۳۴۲ھ

۷۔ اجلاس خلافت کمیٹی بسلسلۂ افتتاح شعبۂ تبلیغ، میرٹھ ۱۳۳۸ھ

مولانا بدایونی کی عملی اور تحریکی زندگی اور مذہبی وقومی جدوجہد کا اندازہ ان عہدوں اور مناصب سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن کو مولانا نے مختلف اوقات میں زینت بخشی۔ یہاں ہم ایک سرسری خاکہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس سے مولانا کی وسیع تر خدمات اور قائدانہ حیثیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۱۔ مہتمم مدرسہ شمس العلوم بدایوں

۲۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ شمس العلوم بدایوں

۳۔ ناظم جمعیۃ علماء ہند صوبہ متحدہ

۴۔ رکن مرکزی مجلسِ خلافت

۵۔ صدر مجلس خلافت صوبہ متحدہ

۶۔ صدر خلافت تحقیقاتی کمیشن

۷۔ رکن وفد خلافت برائے حجاز

۸۔ رکن مجلس عاملہ مسلم کانفرنس

۹۔ رکن انجمن خدام کعبہ

۱۰۔ رکن انڈین نیشنل کانگریس

۱۱۔ صدر جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ آگرہ واودھ

۱۲۔ بانی رکن مجلس تنظیم

۱۳۔ بانی رکن جمعیۃ علما ہند کانپور

۱۴۔ بانی و مہتمم مطبع قادری بدایوں

۱۵۔ بانی وسر پرست عثمانی پریس بدایوں

۱۶۔ بانی دار التصنیف بدایوں۔

ایک غلط بیانی :- حصول آزادی، استحکام خلافت اسلامیہ، قومی وملی وقار کی بحالی اور پرچم اسلام کی سر بلندی کے لئے مولانا عبد الماجد بدایونی کی مجاہدانہ سرگزشت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ یہاں انگریز مؤرخ پیٹر ہارڈی کی ایک غلط بیانی اور اس پر دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب (مانچسٹر) کی حاشیہ آرائی پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے اپنی کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' میں پیٹر ہارڈی کی کتاب ''دی مسلم آف برٹش انڈیا'' کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

> For their activities the brothers, Abdul Hamid and Abdul Majid were well rewarded by the government. Medals denoting the title of Shams-ul-Ulama dangled from their turbans, while for his anti khilafat work Abdul Majid was one of the most rewarded men in the province. At a provincial durbar in 1922, he received from Harcourt Butler both a robe and a sword of honour.
>
> (The Muslims of British India, P. 272)

ڈاکٹر خالد محمود نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد الماجد بدایونی کو حکومت

(برطانیہ) کی طرف سے خاصی امداد ملتی تھی۔ ان کی (نسواری رنگ کی) پگڑیوں میں شمس العلماء کے تمغے لٹکے ہوتے، مولانا عبدالماجد اپنی خلافِ خلافت سرگرمیوں کے باعث اپنے پورے صوبے میں سب سے زیادہ (انگریزوں کے) مراعات یافتہ تھے۔ ۱۹۲۲ء میں ہارکوٹ بٹلر نے آپ کو ایک کھلے دربار میں خلعت فاخرہ دی اور ایک تلوار کا اعزاز بخشا''۔

(مطالعۂ بریلویت، جلد ۳ ص: ۴۳۷، حافظی بکڈپو دیوبند)

ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات پر مولانا عبدالماجد بدایونی اور ان کے جد اعلیٰ سیدنا شاہ فضل رسول بدایونی پر انگریزوں کے وظیفہ خوار اور امداد یافتہ ہونے کا الزام لگایا ہے۔ ہمارے ناقص مطالعہ کی حد تک سیدنا شاہ فضل رسول بدایونی کے بارے میں یہ شوشہ سب سے پہلے پروفیسر ایوب قادری مرحوم نے چھوڑا تھا، سیدنا شاہ فضل رسول بدایونی سے نظریاتی اور مسلکی اختلاف رکھنے والے مؤرخین و مصنفین جان و دل سے اس شگوفہ پر ایمان لے آئے اور اس کی تشہیر واشاعت کو اپنا مسلکی فریضہ سمجھ لیا۔ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے بھی اس افسانہ کو رنگ آمیزی کے ساتھ لکھا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی زیر ترتیب کتاب ''مولانا فضل رسول بدایونی پر بعض اہل قلم کے الزامات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور مستند تاریخی حوالوں اور اصول درایت کی رو سے اس شگوفہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، وہیں مولانا عبدالماجد بدایونی کے بارے میں پیٹر ہارڈی کی اس غلط بیانی پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ ہم قارئین کو اس کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جد و جہد آزادی کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء سے قبل کے حالات دوسرے تھے، اس وقت انگریزی ملازمت، ارباب اقتدار سے تعلقات یا تعلیمی اداروں کے لئے حکومت برطانیہ سے امداد حاصل کرنا کوئی جرم نہیں تھا اور نہ ہی اس وقت ملک میں انگریزوں کے خلاف کوئی مخالف فضا یا تحریک تھی۔ انڈین نیشنل کانگریس کی اس وقت کی مصالحانہ

پالیسی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قوم پرست لیڈر نے شاہ برطانیہ کی تاج پوشی کے موقع پر مدحیہ اشعار نظم کئے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت شروع ہوئی، اس کے بعد ترک موالات کا دور شروع ہوا اور پورے ملک میں حکومت مخالف فضا قائم ہوگئی۔ آزادی کا جذبہ پیدا ہوا اور کھلم کھلا انگریزی حکومت سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جانے لگا۔

مولانا عبدالماجد بدایونی کے بارے میں صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ انہیں ۱۹۱۷ء میں ضلع کلکٹر مسٹر انگرام کی کوششوں سے صوبائی گورنر لارڈ مسٹن کی جانب سے مدرسہ شمس العلوم کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ آراضی ۹۹ سال کے پٹہ پر الاٹ کیا گیا تھا۔ اس کو انہیں حالات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔

تحریک آزادی کا آغاز ہوتے ہی مولانا عبدالماجد بدایونی جہاد آزادی اور ترک موالات کے ایک قائد کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے جس کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اس کا خمیازہ مولانا بدایونی اور ان کے ادارے شمس العلوم کو یہ بھگتنا پڑا کہ ان کے مجوزہ ''دارالحدیث عثمانیہ'' کا منصوبہ صرف کاغذ کی زینت بنا رہ گیا اور ان کا ادارہ بھی حکومت کی ہر قسم کی ہمدردی و تعاون سے محروم ہوگیا۔ ریاست حیدر آباد یا ریاست رامپور سے ضرور مدرسہ کو ماہانہ گرانٹ ملتی رہی مگر ان ریاستوں کی گرانٹ کو ''انگریزی امداد'' قرار دینا ان ریاستوں کے نظم ونسق اور ان کے نظام حکومت سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہو کہ چونکہ ریاست حیدر آباد اور ریاست رامپور و بھوپال وغیرہ حکومت برطانیہ کی منظور نظر تھیں لہٰذا ان کی گرانٹ حکومت برطانیہ کی گرانٹ مانی جائیگی اور جس کو بھی ان ریاستوں سے گرانٹ ملتی ہو وہ ملک وقوم کا مخالف اور انگریزوں کا ایجنٹ تھا تو پھر برصغیر کی کوئی معروف شخصیت اور کوئی تعلیمی ادارہ ایسا نہیں بچے گا جس کو حکومت برطانیہ کا ایجنٹ تسلیم نہ کرنا پڑے۔

مولانا عبدالماجد بدایونی یا ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحامد بدایونی کو شمس العلماء کا خطاب یا تمغۂ خدمت عطا ہونے کی بات بھی بالکل پادر ہوا اور تاریخی حقائق کے

برخلاف ہے۔ یہی دونوں برادران نہیں بلکہ خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کے کسی فرد کے بارے میں یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو برطانوی عہد حکومت میں کسی قسم کا کوئی خطاب یا تمغۂ خدمت دیا گیا ہو اس کے برخلاف مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مولانا فیض احمد بدایونی سے لے کر حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی تک اس خاندان اور اس کے وابستگان میں سے کم از کم ایک درجن علماء کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں جنھوں نے تحریراً، تقریراً اور عملاً انگریزوں کے خلاف جدوجہد آزادی میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ پیٹر ہارڈی کی اس کتاب کے علاوہ کسی بھی معاصر یا متأخر ماخذ سے مولانا عبدالماجد بدایونی کو ''شمس العلماء'' کا خطاب ملنے کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ خلافت کمیٹی کے شعبۂ تبلیغ کے افتتاح کے وقت مولانا نے بحیثیت صدر جو تقریر فرمائی تھی اس میں فرماتے ہیں:

''خطاب یافتہ علماء و مشائخ سے پہلے باادب والحاح عرض ہے کہ وہ خصوصیت کے ساتھ جلد سے جلد اپنے دامن تقدس کو خطاب کے داغ دھبہ سے پاک کریں''۔ (فصل الخطاب، ص:۱۳)

آگے فرماتے ہیں:

''تمام شمس العلماء اللہ کی اُس آواز کو سنیں کہ جس نے اسلام کے مقابلہ میں کفر کا ساتھ دیا، اسلامی حقوق کو کافروں کے خوف سے پامال کیا، اس نے خود کو وعید قہر و عذاب میں داخل کیا، خدا کے لئے وہ حضرات جو عالم کہلاتے ہیں اور خطاب یافتہ بھی ہیں، بے کس ملت پر کرم کریں امت مرحومہ کو طعن و تضحیک سے بچالیں''۔ (فصل الخطاب، ص:۱۴)

یہ بات بعید از قیاس ہے کہ مولانا سارے زمانے کے علماء و مشائخ کو خطابات و اعزازات واپس کرنے کی تبلیغ کریں اور خود اپنی پگڑی میں اعزازی تمغہ لگا کر شمس العلماء کے خطاب کو اپنے گلے کا ہار بنالیں۔

مولانا عبدالماجد بدایونی کو تحریک خلافت کا مخالف قرار دینا پیٹر ہارڈی یا ڈاکٹر خالد محمود جیسے ''محققین'' ہی کا حصہ ہے۔ جس بندۂ خدا کی زندگی کے پانچ قیمتی سال خلافت

اسلامیہ کے استحکام اور ملک کے طول و عرض میں اس کی تبلیغ و تشہیر میں صرف ہوئے ہوں اس کو خلافت مخالف سرگرمیوں میں ملوث قرار دینا اتنا ہی بے بنیاد ہے جتنا ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے مقتدیٰ و پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو تحریک خلافت و ترک موالات کا حامی و ناصر قرار دینا۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مولانا عبدالماجد بدایونی تحریک خلافت کے آغاز ہی سے اس میں شامل ہو گئے تھے، انہوں نے کم از کم پانچ مرتبہ خلافت کانفرنس کی صدارت کی، صوبائی مجلس خلافت کے صدر رہے، خلافت تحقیقاتی کمیشن کی صدارت کی، وفد خلافت برائے حجاز کے رکن رہے اور آگے مولانا کی تصانیف کے ذیل میں ہم ذکر کریں گے کہ انھوں نے خاص خلافت کے موضوع پر ۵ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان تمام زندہ تاریخی حقائق کی نفی کر کے پیٹر ہارڈی جیسے دوسرے درجے کے مؤرخین کی بات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا ڈاکٹر خالد محمود صاحب ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔

۱۹۲۲ء میں ہارکوٹ بٹلر کے ذریعہ صوبائی دربار میں مولانا کو خلعت فاخرہ اور تلوار کا اعزاز بخشا جانا بھی بالکل بے بنیاد اور مولانا بدایونی جیسے ترک موالات کے سرگرم حامی کے اوپر اتہام ہے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا آغاز ہوا، مولانا عبدالماجد بدایونی روزِ اول سے اس تحریک کے حامی و مبلغ تھے، مولانا اور ان کے ہم خیال علماء نصاریٰ سے ترک موالات کو مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا کے مستقل مضامین اور ان کی کتابوں سے بیشمار اقتباسات پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں انھوں نے انگریزوں سے موالات کو حرام قرار دیا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں "فصل الخطاب" کے نام سے ان کی تقریر شائع ہوئی جس میں ترک موالات اور خطابات و اعزازات کی واپسی پر خالص مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی جیسے ذمہ دار عالم سے قول و عمل کے اس تضاد کی توقع کرنا انصاف و دیانت کا خون ہے کہ ۱۹۲۰ء میں وہ فصل الخطاب لکھ کر سارے ہندوستان کو ترک موالات کی دعوت دیں اور ۱۹۲۲ء میں ہارکوٹ بٹلر کے دربار میں حاضر ہو کر خلعت فاخرہ کے ساتھ تلوار کا اعزاز حاصل کریں۔

خطابت ۔ حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی ان تمام گوناگوں خوبیوں کے ساتھ ایک

شعلہ بیان خطیب بھی تھے۔ محفل میلاد ہو یا مجلس محرم، عرس کی محفل ہو یا بزم مناظرہ، سیاسی جلسہ ہو یا قومی کانفرنس ہر جگہ مولانا کی خطابت کی گونج سنائی دیتی تھی۔ شعلہ بیانی اور ولولہ انگیزی آپ پر ختم تھی مولانا کا یہ ایسا وصف تھا کہ اس کا اعتراف ان کے تمام معاصرین نے بیک زبان کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

''مرحوم کی قوت خطابت غیر معمولی تھی ان کی تقریر جذباتِ اسلامی کی ترجمان ہوتی تھی''۔ (معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۲ء)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی مولانا کی اس خوبی کا اعتراف کیا ہے:-

''تقریر اور موثر تقریر ہر موضوع پر کہہ سکتے تھے اور سیاسی اور عام مذہبی عنوانات پر بھی دلوں کو دہلا دیتے اور مجلس کو لٹا دیتے تھے، حبیب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر پاک کرنے اٹھتے تو آپ میں نہ رہتے، بلبل کی طرح بولتے اور چہکتے اور شاخ گل کی طرح جھومتے اور لچکتے، خطابت لپٹ لپٹ کر بلائیں لیتی اور خوش بیانیاں مست ہو کر منھ چومتی، ایک ایک فقرہ معلوم ہوتا تھا کہ عشق و محبت کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور ایک ایک جملہ نظر آتا تھا کہ سنوار گزار کے عطر میں بسا ہوا نکلتا ہے''۔ (سچ ۲۵/دسمبر ۱۹۳۱ء)

معروف محقق و نقاد آل احمد سرور مولانا کی خطابت کے بارے میں اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مولانا عبدالماجد بدایونی صرف مقرر ہی نہیں خطیب بھی تھے، تقریر شروع کرتے تو اتنی آہستہ کہ چند جملے سمجھ میں نہ آتے، پھر رفتہ رفتہ آواز بلند ہوتی جاتی اور آواز کی بلندی کے ساتھ وہ ادھر اُدھر مڑ جاتے یہاں تک کہ وہ گھوم گھوم کر لفظوں کا ایک آبشار گراتے جاتے اور لوگ جا بجا اللہ اکبر کے نعروں سے ان کا ساتھ دیتے رہتے'' (خواب باقی

ہیں، ص ۲۶، ۲۷، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، طبع دوم ۲۰۰۰ء)

ضیاء علی خاں اشرفی مولانا کے انداز خطابت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"تقریر بے نظیر کرتے تھے، دوران تقریر عمامہ کے بل کھل جاتے تھے اور عباء کے دامن ہوا میں لہرانے لگتے تھے، سامعین پر عجیب وغریب کیفیات طاری ہو جاتی تھیں، کبھی جلسہ کشت زعفران بن جاتا اور کبھی مجلس عزاء، کبھی قہقہے بلند ہوتے اور کبھی آہ وبکا کا شور اُٹھتا تھا"۔

(مردانِ خدا۔ص:۳۵۸، شوقین بکڈپو بدایوں ۱۹۹۸ء)

ماہر القادری مولانا عبدالماجد صاحب کی خطابت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم تقریر وخطابت میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا آزاد سبحانی کی صف میں شمار ہوتے تھے ان کے وعظ و تقریر کی سارے زمانے میں دھوم تھی۔ (یادرفتگاں، ج:۲، ص:۲۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۰ء)

لسان الحسان مولانا ضیاء القادری بدایونی اپنی طویل مثنوی "مشق تقریر" میں مولانا عبدالماجد بدایونی کے انداز خطابت کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

کھڑے ہو کر پڑھا آہستہ خطبہ — ہوئے محفل میں حیراں اہل رتبہ
کسی نے مضطرب ہو کر صدا دی — کسی نے کی سرِ محفل منادی
کسی نے کر دیا فوراً ہی اظہار — بیاں آواز سے فرمائیں سرکار
قیامت خیز تھی آہستہ گوئی — نہ ساکت رہ سکا محفل میں کوئی
ابھی دو چار جملے ہی کہے تھے — اشارے ہی ابھی کچھ ہو رہے تھے
ہوا موج آفریں بحر فصاحت — روانی پر ہوئی مائل طبیعت
لئے بوسے خطابت نے زباں کے — کھلے دفتر معانی و بیاں کے
حقائق وجد میں آ کے جھومے — بلاغت نے لبِ اعجاز چومے

قبائے ناز کے لہرائے آنچل
عمامے کے ادھر کھلنے لگے بل

بنی طبع رواں علمی سمندر
بیاں ہونے لگے دفتر کے دفتر

عجب سج دھج تھی انداز بیاں کی
زبانیں گنگ تھیں اہل زباں کی

ہزاروں آدمی حضار محفل
اثر سے وعظ کے تھے نیم بسمل

کسی جانب تھا جوش بے قراری
کس جانب تھا شور آہ و زاری

کہیں تھا بے خودی میں لب پہ یاھو
کسی کی آنکھ سے جاری تھے آنسو

کہیں تھا یا رسول اللہ لب پر
کہیں تھا نعرۂ اللہ اکبر

بیاں حیرت سے کوئی سن رہا تھا
کوئی مدہوش تھا سر دھن رہا تھا

مولانا ضیاء القادری نے مولانا عبدالماجد بدایونی کی اس بے نظیر خطابت کو بجا طور پر ان کے پیرومرشد سیدنا شاہ عبدالمقتدر قادری قدس سرّہٗ کی دعا کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

تعالی اللہ یہ پر زور تقریر
یہ انداز بیاں یہ رنگ تاثیر

یہ سب مقبولیت یہ سب خطابت
بیاں میں یہ ادیبانہ فصاحت

خطابت میں یہ رنگ عارفانہ
تکلم میں یہ ذوق شاعرانہ

مجالس میں بیانات فضائل
سیاست میں یہ معلومات کامل

محرم میں یہ اذکار شہادت
دواماً یہ مضامین ولادت

مقابر پر یہ تشریحاتِ عرفاں
عقائد پر دلائل یہ نمایاں

اثر اندوز یہ شیریں بیانی
بطالت سوز یہ شعلہ زبانی

غرض یہ وعظ یہ رنگیں مقالات
کلام دلکش و اعلیٰ خیالات

عطیہ تھے خدائے مقتدر کا
نتیجہ تھے دعائے مقتدر کا

فی الحال مولانا کے جو خطبات دستیاب ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:-

ا۔ خطبۂ صدارت: بہار ڈویژنل خلافت کانفرنس پٹنہ ۱۳۳۹ھ، مشمولہ ''المکتوب''۔

۲۔ خطبہ صدارت: خلافت کانفرنس ضلع بیلگام کرناٹک ۱۳۳۹ھ، مشمولہ ''المکتوب''۔

۳۔ خطبہ صدارت: اجلاس جمعیۃ علماء منعقدہ اجمیر ۱۳۴۲ھ، مطبوعہ تبلیغ پریس آگرہ: صفحات ۲۴

۴۔ تقریر: اجلاس آل انڈیا کانگریس، منعقدہ احمد آباد ۱۹۲۱ء، مشمولہ ''اوراق گم گشتہ''،

مرتبہ: رئیس احمد جعفری، محمد علی اکیڈمی لاہور۔

۵۔ تقریر: بسلسلۂ تبلیغ خلافت و ترک موالات: بمقام کاسگنج ضلع ایٹہ، مطبوعہ بعنوان

''ازالۂ شکوک'' مرتبہ: محمد عبدالحئی ایڈیٹر اخبار تبلیغ، تبلیغ پریس آگرہ۔

۶۔ خطبہ صدارت: بموقع افتتاح شعبۂ تبلیغ و بعث وفود، بمقام میرٹھ ۱۳۳۸ھ، مطبوعہ

بعنوان ''فصل الخطاب'' شانتی پریس میرٹھ ۱۹۲۰ء۔

قلمی خدمات ۔ مولانا عبدالماجد بدایونی اپنی ان گونا گوں سیاسی، قومی اور تحریکی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ مولانا نے مذہبیات، درسیات اور سیاسیات ہر موضوع پر قلم اُٹھایا اور تصنیفات کا ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا۔ مولانا کا اسلوب شگفتہ اور مزاج محققانہ ہے، قلم رواں دواں اور شستہ ہے، تحریر پر خطابت کا رنگ غالب ہے۔ مولانا کی زیر ادارت ماہنامہ شمس العلوم نکلتا تھا جس میں بحیثیت مدیر آپ ہر ماہ کچھ نہ کچھ تحریر کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ ۲۰ سے زائد کتب و رسائل مولانا کی علمی و قلمی یادگار کے طور پر آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہاں ہم مولانا کی بعض تصانیف کا ایک سرسری تعارف پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ **خلاصۃ المنطق** ۔ مولانا بدایونی نے جب مدرسہ شمس العلوم کے نظام تعلیم کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر فن کی ابتدائی کتاب طلبہ کو ان کی مادری زبان اردو میں پڑھائی جائے تا کہ بسہولت فن کے ابتدائی قواعد ذہن نشین ہو سکیں، اس سلسلے میں مولانا نے تین نصابی کتابیں ترتیب دیں **خلاصۃ المنطق**، **خلاصۃ العقائد** اور **خلاصۃ الفلسفہ** ۔ یہ تینوں کتابیں مدرسہ شمس العلوم کے نصاب تعلیم میں داخل تھیں۔ خلاصۃ المنطق کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''مدرسہ شمس العلوم کے دامن ترقی کے ساتھ بہت سی آرزوؤں نے اپنا دامن باندھ کر چولی دامن کا ساتھ نباہنے کا عہد باندھا، امیدیں دل خوش کن، تمنائیں ترقی افزا، بڑھتے بڑھتے مجھ ناکارہ تک کو گھیرنے لگیں۔ دو رسالوں کی فرمائش، علم کلام اور ابتدائی منطق کا میدان، حیلہ حوالہ، عذر واقعی، نااہلی غیر مسموع بسم اللہ ھو المقتدر قلم اٹھانا پڑا جو کچھ بھولا ہوا یاد آیا زبان قلم کے حوالے کر دیا، حاضر میں حجت نہیں، احکام شریعت اسلام رسالہ علم کلام زیر طبع، خلاصۃ المنطق اس رسالہ کا نام وہ حاضر، ابتدائی طلبہ کی آسانی کا خیال میرے لئے مشکل کا سامنا تھا مگر تالیف وجمع نے تصنیف کی زحمت سے کنارہ کش کر دیا، تھوڑی راحت مل رہی ہے مگر اس کا کمال طلبہ مدرسہ شمس العلوم کے فائدہ پر محوّل''۔ (خلاصۃ المنطق، ص:۳)

خلاصۃ المنطق میں مبتدی طلبہ کے لئے علم منطق کے مصطلحات ومبادی آسان اور سلیس انداز میں تحریر کئے گئے ہیں۔ رسالہ کو سوال وجواب کے اسلوب پر ترتیب دیا گیا ہے جس سے مسائل آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

۲۔ **خلاصۃ العقائد** - یہ رسالہ بھی مدرسہ شمس العلوم کے لئے تیار کردہ جدید نصاب کی ایک کڑی ہے۔ یہ دراصل حضرت تاج الفحول کے عربی رسالہ ''احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام'' کی شرح ہے۔ مولانا بدایونی رسالہ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

''اس (مدرسہ شمس العلوم) کی ترقی کا خیال جب آیا تو بعض احباب نے فرمائش کی اور یہ رائے قائم کی کہ حسب ضرورت وقت اردو زبان میں بچوں کو پڑھانے کے لئے عقائد اہل سنت کے رسائل مختصرہ داخل درس کئے جائیں اور ایماء خصوصی بعض احباب کا میری طرف یہ ہوا کہ

میں اس سلسلہ کی ابتدا کروں اور کوئی رسالہ لکھوں، میں بسبب تفکرات اور علالت طبع اپنے آپ کو مستعد نہ پاتا تھا، مگر اس امر کی اہمیت نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرہی لیا اور خدا کا نام لے کر لکھنا شروع کر دیا"۔

آگے لکھتے ہیں:۔

"اس رسالہ کی اصل بنا تو رسالہ عربیہ احسن الکلام مصنفہ اعلیٰ حضرت قبلۃ العلماء، کعبۃ العرفاء، ناصر الاسلام، مرشد الانام، امام السنیین، مہلک المبتدعین حضرت جدی وسیدی مرشدنا و ہادینا منبع البرکات والمفاخر شاہ محبّ الرسول محمد عبد القادر القادری البدایونی قدس سرہٗ پر ہے مگر مطابق ضرورت زمانہ موقع موقع بہت مفید تحقیقات کتب متفرقہ محققین سے بڑھا دیں"۔ (خلاصۃ العقائد، ص:۲-۳)

یہ رسالہ ایک مقدمہ، دس ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: علم کلام کی تاریخ۔

باب ۱۔ ذات وصفات خدا پر ایمان اور اس کی کامل توحید۔

باب ۲۔ فرشتوں پر ایمان اور ان کی حقیقت۔

باب ۳۔ کتب سماوی۔

باب ۴۔ انبیاء ورسل بالخصوص سید الانبیاء حضور سرور عالم ﷺ اور ضرورت رسالت کے چند پہلو۔

باب ۵۔ امامت۔

باب ۶۔ صحابۂ کرام۔

باب ۷۔ ولایت۔

باب ۸۔ حدوث عالم۔

باب ۹۔ برزخ وحشر۔

باب ۱۰۔ معاصی وکفر اور توبہ کی حقیقت۔

خاتمہ: چند مسائل بالخصوص ردعقائد آریہ۔

یہ رسالہ ۸۰؍صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۹ھ میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

۳۔ **خلاصۃ الفلسفہ** - یہ رسالہ بھی اسی نصابی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس میں بھی ابتدائی طلبہ کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے عام فہم اور سادہ اسلوب میں فلسفہ کی اصطلاحات اور ابتدائی مسائل درج کئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

۴۔ **فلاح دارین** - یہ احادیث نبویہ کا مجموعہ ہے جو عام لوگوں کی اصلاح ورہنمائی کے لئے ترتیب دیا گیا ہے، اس میں پانچ ابواب ہیں: ۱۔ باب الاعتقادیات، ۲۔ باب العبادات، ۳۔ باب المعاملات، ۴۔ باب البشارات، ۵۔ باب المنذرات اور آخر میں اخبار وفتوحات کی ۴۰؍احادیث درج کی گئی ہیں۔ یہ ۲۵۸؍احادیث کا عمدہ انتخاب ہے۔ صفحہ کے ایک طرف حدیث کا اصل عربی متن اور دوسری طرف اس کا سلیس اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ہر حدیث کے ساتھ اس کے ماخذ کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔ محرم ۱۳۴۱ھ میں تالیف کیا گیا اور اسی وقت دارالتصنیف بدایوں کی جانب سے عثمانی پریس بدایوں میں چھپا۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں جدید تحقیق وتخریج کے ساتھ نومبر ۲۰۰۸ء میں انشاء اللہ اس رسالہ کو منظر عام پر لانے والی ہے۔

۵۔ **دربارِ علم** - یہ مولانا کی ایک معرکہ آراء تصنیف ہے۔ اس میں عالم تخیل میں علم کا دربار آراستہ کیا گیا ہے، مسند صدارت پر حضرت علم جلوہ افروز ہیں اور ان کے دربار میں بڑے بڑے اہل علم وفضل حاضر ہیں، عالم تخیل میں یہ دربار ایک ہفتہ تک منعقد رہا، روزانہ کسی ایک عالم کی تقریر ہوتی تھی، دل چاہتا ہے کہ اس کتاب کی پوری فہرست درج کردی جائے تاکہ اس کے مباحث کی اہمیت اور اس کے مصنف کی بلند فکری کا اندازہ ہو سکے، لیکن طوالت کے خوف سے اختصاراً فہرست کے چند عناوین درج کئے جارہے ہیں۔

☆ دربارِ علم کا پہلا دن:- حضرت علم کی افتتاحی تقریر: علم کا تعارف و مقامات، تاریخی طور پر عروج، بغداد و قرطبہ کے دار العلوم کی طرف اشارے، عہد عباسیہ میں علمی ترقیاں۔

امام اعظم کی تقریر:- ضرورت فقہ، تدوین فقہ، اسرار فقہ، تقلید کی ضرورت، فقہی اجتہاد کی احتیاطیں، فقہا کی جانفشانیاں۔

☆ دربار کا دوسرا دن:- حضرت غوث اعظم کی تقریر: اسرار و مقامات تصوف، شریعت و طریقت کی تعریف، عبادت و ریاضت، مجاہدات و فقر و فنا کے اسرار اور تعلیم باطن کی ضرورت۔

☆ دربار کا تیسرا دن:- امام رازی کی تقریر: علم کی تعریف و تقسیم، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافی مسائل کا بیان، وجود ملائکہ کی بحث وغیرہ۔

☆ دربار کا چوتھا دن:- امام غزالی کی تقریر: ضرورت رسالت، بعثت حضور، صداقت رسالت کے دلائل، مکارم اخلاق، مقامات اخوت و اصلاح وغیرہ۔

☆ دربار کا پانچواں دن:- حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی تقریر: حدیث کی ضرورت و جلالت شان، حدیث کے معنی اور اس کی اقسام، صحت و ضعف حدیث پر مختلف اقوال اور قول فیصل، وضع و کذب پر بسیط محاکمہ، طبقۂ محدثین کا مختصر تذکرہ۔

☆ دربار کا چھٹا دن:- بحر العلوم حضرت ملا عبدالعلی فرنگی محلی کی تقریر: اسرار فرائض اور فلسفۂ احکام، آمین بالجہر، قرأت فاتحہ، رفع یدین وغیرہ کے مباحث، زیارت قبر اطہر کے مسائل و مباحث۔

☆ دربار کا ساتواں دن:- سرکار صاحب الاقتدار سیدنا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی کی تقریر: قرآن کا معجزہ ہونا، قرآن کی تاریخ، قرآن کا تواتر، قرآن میں غیر عربی الفاظ کی بحث، قرآن میں معاش و معاد، مذہب و اخلاق، سیاست و تمدن کے احکام۔

حضرت علم کی اختتامی تقریر: زمانہ موجودہ کے طرز تعلیم کی بدعنوانیاں، آزادیوں کا بڑھنا، نصیحت و ہدایت اور پیروی اسلاف و اتباع صالحین کی ترغیب۔

اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

''ایک دینی تقریب کی غرض سے اس زمانے میں بمبئی کا سفر ہوا جب کہ ہند کے دارالسلطنت دہلی میں ''دربار'' کا ہنگامہ اپنی گرم بازاری دکھارہا تھا۔ اس سفر میں عمی خواجہ عبداللہ صاحب ہمراہ تھے، جن کو اپنے وطن دلی کی آرائش دیکھنے کا خیال بار بار ہوتا تھا، بمبئی پہنچ کر بھی یہی تذکرہ آیا کہ اگر فقیر بمبئی آنے کی عجلت نہ کرتا تو خواجہ صاحب بہارِ دربار دیکھ آتے۔ اس تذکرہ کے بعد خیال پیدا ہوا کہ کسی علمی تخیل سے رفقائے سفر کو ایسا محظوظ کیا جائے کہ ان کا سیر دہلی و بہارِ دربار نہ دیکھ سکنے کا خیال علمی و روحانی مناظر کی سیروں بہاروں سے بہل جائے بلکہ لطیفہ قلبیہ کو مسرت ولطف پہنچائے''۔ (دربار علم، ص:۱)

پوری کتاب افسانوی اسلوب، منظر نگاری اور ادب العالیہ کا بہترین شاہکار ہے۔ جن حضرات کی تقریریں درج کی گئی ہیں وہ اگرچہ ان کے اصل الفاظ نہیں ہیں لیکن محض افسانہ اور من گھڑت بھی نہیں ہیں، مولانا نے ان حضرات کی کتب سے ان مباحث کو اخذ کر کے خطیبانہ انداز میں تعبیر کر دیا ہے۔ مقدمہ میں مولانا فرماتے ہیں:

''دربار کی ترتیب بیان وطرز کلام جس طرح رکھی گئی ہے وہ بھی بطور نقل بالمعنی اور ہر مقرر کی فنی نسبت اور اکثر کی کتب موجودہ سے التقاط پر ہے، جس کو ان کے بیان وتقریر سے تعبیر کیا گیا ہے''۔ (دربار علم، ص:۵)

یہ کتاب ابتداء میں دو سال تک قسط وار ماہنامہ شمس العلوم میں شائع ہوتی رہی اور بعد کو شوال ۱۳۳۵ھ میں تجارتی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔

۶۔ **فتویٰ جواز عرس** ۔ کسی صاحب نے مختلف فیہ مسائل کے سلسلہ میں مولانا سے ۲۰ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء کیا جس میں مندرجہ ذیل مسائل کے سلسلہ میں سوالات کئے گئے تھے۔ (۱) عرس کی تعریف (۲) عرس کا رواج کب سے ہوا (۳) فاتحہ کا

ثبوت (۴) بزرگوں سے استمداد کی شرعی حیثیت (۵) قبر پر چادر ڈالنا (۶) قبر کا بوسہ (۷) قبر پر شامیانہ (۸) قبر کے پاس روشنی (۹) قبروں پر پھول ڈالنا (۱۰) محفل میلاد کا انعقاد (۱۱) محفل وعظ کا انعقاد (۱۲) محفل سماع (۱۳) محفل کے بعد شیرینی تقسیم کرنا (۱۴) کھانے پر فاتحہ (۱۵) قبر پر پنج آیات تلاوت کرنا (۱۶) قبر پر لوگوں کا جمع ہونا (۱۷) جلوس چادر نکالنا (۱۸) قبر پر منقبت خوانی کرنا (۱۹) عرسوں میں قوالی کا حکم (۲۰) ہندوستان کے علاوہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں اعراس کی صورت حال۔

ان سوالات کے جواب میں مولانا عبد الماجد بدایونی نے ایک مفصل فتویٰ تحریر کیا جس پر بدایوں کے مندرجہ ذیل علماء نے تصدیقی دستخط فرمائے:

۱۔ سیدنا شاہ عبد المقتدر قادری بدایونی

۲۔ استاذ العلماء مولانا محبّ احمد قادری بدایونی

۳۔ حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی

۴۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری مقتدری

۵۔ حضرت مولانا حافظ بخش صاحب قادری

۶۔ حضرت سید دیانت حسین صاحب قادری

۷۔ حضرت مولانا یونس علی صاحب بدایونی

یہ فتویٰ مع تصدیقات ''فتوائے جواز عرس'' کے نام سے شعبان ۱۳۲۹ھ میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

۷۔ **القول السدید** - سابق الذکر رسالہ ''فتویٰ جواز عرس'' کا رد جماعت غیر مقلدین کے سرگرم رکن مولانا ابو القاسم سیف بنارسی نے اپنے رسالہ السعید (ٹریکٹ نمبر ۲) میں کیا۔ بنارسی صاحب کے جواب میں مولانا عبد الماجد بدایونی نے ''القول السدید'' تصنیف فرمائی۔ اس میں انھوں نے اپنے فتوے پر بنارسی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ القول السدید ۴۰ صفحات کا رسالہ ہے سن ۱۳۳۰ھ میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ اس

کے جواب میں مولانا ابو القاسم بناری نے ''الصول الشدید'' نام سے ایک ۸ ورقی کتابچہ شائع کیا۔ اس کے جواب میں مولانا حبیب الرحمٰن قادری مقتدری نے ''التہدید'' نامی رسالہ لکھا۔ معلوم نہیں التہدید کے جواب میں بناری صاحب نے کچھ لکھا یا سکوت اختیار کرلیا۔

القول السدید ترکی بہ ترکی جواب ہے اور خالص مناظرانہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ ''فتویٰ جواز عرس'' اور ''القول السدید'' دونوں کو ایک ساتھ تاج الفحول اکیڈمی جدید تحقیق و تخریج کے ساتھ ''عرس کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے شائع کرنے جارہی ہے۔

۸۔ **عورت اور قرآن** - عورتوں کی اخلاقی، مذہبی، تمدنی اور معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن کریم کی ۹۸ آیات کا مجموعہ ہے۔ صفحے کے ایک جانب قرآنی آیت رکھی گئی ہے اور دوسری جانب اس کا سلیس ترجمہ کیا گیا ہے، پھر ''تبصرہ'' کے عنوان سے آیت کریمہ سے اخذ ہونے والے احکام و اسرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا گیا ہے جس یں ان عورتوں کا تعارف کروایا گیا ہے جن کا تذکرہ کسی بھی حیثیت سے قرآن کریم میں آیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ دار التصنیف بدایوں کی جانب سے عثمانی پریس بدایوں میں شائع ہوئی۔

۹۔ **خلافت نبویہ** - یہ خلفاء اسلام کی مختصر مگر جامع اور مفید تاریخ ہے۔ خلافت راشدہ، خلافت بنو امیہ، خلافت بنو عباس، خلافت آل عثمان ترکی وغیرہ پر تاریخی تسلسل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر عہد کی فتوحات اور اس کی علمی، تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی تعمیر و ترقی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں ''خلافت اور اس کا ہندستان سے تعلق'' کے عنوان سے مرکز خلافت اسلامیہ اور شاہان ہند کے مختلف ادوار میں مراسم و تعلقات کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ طبع دوم ہے جو ۱۳۴۸ھ میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوا ہے۔

۱۰۔ **الاظہار** - مسئلہ خلافت کی تبلیغ کے سلسلہ میں یہ کتاب تالیف کی گئی۔ اس میں علماء کا سیاسیات میں عنصر متحرک ہونا، حکومت ہند کی اصلاح و رہنمائی، مظالم پنجاب کی

تفصیل، مسئلہ خلافت کے مباحث، خلافت کی قسمیں، خلافت کے شرائط ولوازم، ترکان آل عثمان کی خلافت اوراس کے ساتھ حکومت برطانیہ کارویہ وغیرہ پر اپنے مخصوص انداز میں مولانا نے اظہار خیال کیا ہے، ۷۰ صفحات کا یہ رسالہ شانتی پریس میرٹھ سے شائع ہوا۔

۱۱۔ **فصل الخطاب** - تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں مولانا عبدالماجد بدایونی نے آگرہ میں افتتاح شعبہ تبلیغ کے موقع پر بحیثیت صدر ایک طویل خطاب فرمایا جس میں انگریز حکومت کی طرف سے دیئے گئے خطابات واعزازات کی واپسی پر خالص مذہبی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی، بعد میں اس تقریر کوتحریری شکل میں ترتیب دے کر فصل الخطاب کے نام سے ۱۳۳۸ھ میں شانتی پریس میرٹھ سے شائع کیا گیا۔

۱۲۔ **قسطنطنیه** - مولانا بدایونی نے تاریخی معلومات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ اس سلسلہ کی چوتھی کتاب ہے۔ اس میں حکومت روم اوراس کے دارالخلافہ قسطنطنیہ کی تاریخی حیثیت اوراس سلسلہ میں وارد احادیث مبارکہ کا جائزہ لیا گیا ہےاور فتح قسطنطنیہ کے مفصل حالات تحریر کیے گئے ہیں۔۱۶ر صفحات کا یہ کتابچہ نقیب پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

۱۳۔ **المکتوب** - یہ دراصل مولانا کا سفرنامہ ہے۔شوال ۱۳۳۹ھ میں آپ نے تحریک خلافت کے سلسلہ میں بہار، کرناٹک، مدراس، میسور، بمبئی اور کراچی کا دورہ کیا۔اس دورے کے دوران تحریک خلافت کے سلسلہ میں مختلف اجلاس، کانفرنسیں اور میٹنگیں منعقد ہوئیں۔ان میں پٹنہ اور بیلگام کی خلافت کانفرنس آپ کی زیرصدارت منعقد ہوئیں۔اس سفرنامے میں آپ نے اپنے سفر کے احوال کے ساتھ ان دونوں کانفرنسوں کے خطبۂ صدارت کا خلاصہ بھی درج کردیا ہے۔اس سفرنامے سے اکابرین ومعاصرین اور صف اول کے زعماء ہند سے مولانا کے مراسم وروابط کی گہرائی اورنوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔یہ دراصل منشی مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت میرٹھ کے نام ایک خط ہے جس نے ۴۶ صفحات کے سفرنامے کی شکل اختیار کرلی ہے۔ہاشمی پریس میرٹھ میں شائع ہوا۔

۱۴۔ **درس خلافت** - ۶۲ر صفحات کا یہ رسالہ تحریک خلافت کے سلسلہ میں مسئلہ

خلافت کی تفہیم و تبلیغ کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں چار درس ہیں۔ مقدمہ میں فضل الرحمٰن صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی بدایوں کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سید محمد حسین صاحب بیرسٹر سکریٹری خلافت کمیٹی صوبہ آگرہ نے صوبہ کے لئے تبلیغ و تلقین خلافت کا کام جب شروع کرنا چاہا تو قلت مبلغین و مقررین پر نظر احساس ڈالتے اور دور قحط الرجال کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا عبد الماجد قبلہ بدایونی سے محبت و اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ ایک درس خلافت تیار ہو جائے جو نظام کار کو استوار کر دے۔ مولانا نے سید صاحب کے تعلقات اخلاص و مودت سے وعدہ تو دیدیا مگر جو شخص مولانا کے مشاغل و انہاک و کثرت خدمات خلافت سے واقف ہے وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں آپ کو اتنی فرصت کہاں اور مہلت کب میسر۔ لیکن خدا جانے سید صاحب کا اصرار کیسا پُر خلوص تھا جس نے مشاہدہ دیا کہ صرف تین دن میں یہ حصہ اول ''درس خلافت'' مولانا کے قلم سے مکمل ہو کر فیض بخش عالم ہو رہا ہے۔ خاکسار سے خود مولانا نے کہا ''بھائی! مجبور ہوں ایک سید اور پھر عملی شخص کا اصرار ٹالا نہیں جاتا'' (درس خلافت، ص:۲)

یہ کتاب پہلی مرتبہ قادری پریس بدایوں سے شائع ہوئی اور دوسری بار مصنف کے مختصر مقدمہ کے اضافے کے ساتھ ہاشمی پریس میرٹھ سے ۱۳۳۹ھ میں طبع ہوئی۔

۱۵۔ **تنظیمی مقالات۔** یہ مولانا کے تین مقالات کا مجموعہ ہے جس میں ملت اسلامیہ بالخصوص ملت کے نوجوانوں کو تنظیم و تربیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ اس زمانے کی تصنیف ہے جب مولانا گاندھی جی اور کانگریس سے بعض نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر الگ ہو گئے تھے اور مسلم کانفرنس کے سرگرم کارکن تھے۔ ان مقالات میں مولانا نے ملک کے نوجوانوں کو منظّم ہو کر خود اپنے بل بوتے پر حصول آزادی اور اپنے حقوق کی بازیابی

کی دعوت دی ہے۔ مقالات کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسلمان بیدار ہوں، نوجوان منظّم ہوجائیں۔

۲۔ مسلمانوں اپنی قوت کو منظّم اور فراہم کرو اور ملک میں ایک زندہ قوم ہوکر رہو۔

۳۔ تنظیم کیا ہے؟

۱۶/ صفحات کا یہ رسالہ ادبی پریس لکھنؤ میں شائع ہوا۔

۱۶۔ **جذبات الصداقت** ۔ یہ بھی مولانا کے تین مضامین کا مجموعہ ہے:

۱۔ خلافت کا پیغام مسلمانوں کے نام۔

۲۔ دعاء خلافت۔

۳۔ جواب پیغام طلبہ دار العلوم علی گڑھ کے نام۔

یہ آخری مقالہ الگ سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوا ہے، اس آخری مقالہ میں خاص طور سے مولانا نے ترک موالات کے مخالفین کے اعتراضات کا مذہبی اور شرعی نقطۂ نظر سے محاسبہ کیا ہے۔

یہ رسالہ فتح پرنٹنگ پریس دہلی سے ۱۳۳۹ھ میں شائع ہوا۔

۱۷۔ **الاستشهاد** (دعوت حق)۔ ۸/ صفحات کا یہ رسالہ جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کے آئندہ لائحہ عمل کے سلسلہ میں ہے۔ جمعیۃ کے اصول اور مستقبل کے منصوبوں پر اس میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ رسالہ مطبع قیومی کانپور سے شائع ہوا۔

۱۸۔ **کشف حقیقت مالابار** ۔ علاقۂ مالابار (جنوبی ہند) میں انگریزوں نے مسلمان موپلوں پر بغاوت کے الزام میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ اس کی تحقیق کے لئے مرکزی خلافت کمیٹی نے مولانا کی صدارت میں ایک خلافت تحقیقاتی کمیشن ترتیب دیا، جس نے موقع پر جاکر وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، یہ دراصل اسی کمیشن کی رپورٹ ہے۔ کمیشن نے ہندو مسلمان اور عیسائیوں کی عینی شہادتوں کی روشنی میں اپنی رپورٹ مرتب کی۔ اس میں تین فصلیں ہیں:

۱۔ موپلوں نے بغاوت شروع نہیں کی۔

۲۔ موپلوں کے ہندوؤں پر جبر وظلم کی حقیقت۔

۳۔ حکومت کے مظالم اور موپلوں کی حالت زار۔

یہ رسالہ دارالتصنیف بدایوں کی جانب سے عثمانی پریس بدایوں میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

۱۹۔ **الخطبة الدعائیه للخلافة الاسلامیه** - مولانا نے جمعہ وعیدین میں پڑھنے کے لئے یہ دو خطبے عربی زبان میں ترتیب دیئے۔ فارسی ترجمہ کے ساتھ مطبع عثمانی بدایوں سے ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوئے۔

ان کتب ورسائل کے علاوہ سوانح نگاروں نے مولانا کی تین اور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ اعلان حق۔

۲۔ سمرنا کی خونی داستان۔

۳۔ خلافت الٰہیہ۔

فی الحال یہ تینوں کتابیں پیش نظر نہیں ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ :- مولانا عبدالماجد بدایونی کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ انھوں نے ایک تقریر میں گاندھی جی کو "**مبعوث من اللّٰہ**" کہا تھا یا یہ کہا تھا کہ "اللہ نے انہیں مذکر بنا کر بھیجا ہے"۔ اس زمانے میں اس بات کا کافی چرچہ رہا اور آج بھی یہ جملہ مولانا بدایونی کی طرف منسوب کر کے وقتاً فوقتاً لکھ دیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جب اس کی شہرت ہوئی تو حلقۂ علماء میں ایک بے چینی پھیل گئی۔ بات دارالافتاء تک پہنچی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کے خلاف فتوے صادر کئے گئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں اس سلسلہ میں وضاحت کر دی جائے تاکہ مولانا بدایونی کے بارے میں کوئی غلط فہمی راہ نہ پاسکے۔

جس زمانے میں یہ افواہ پھیلی تھی اس وقت مولانا عبدالماجد بدایونی نے تقریر وتحریر کے ذریعہ اس کی وضاحت کر دی تھی۔ تقریر میں کہے گئے اپنے اصل جملوں اور ان سے اپنی مراد کو واضح کر دیا تھا جس سے اہل علم وفتویٰ مطمئن ہو گئے تھے۔

تحریک ترک موالات کے زمانے میں علماء کے درمیان اس کے جواز وعدم جواز کی بحث چھڑ گئی تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ایک رسالہ ''النور'' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں آپ نے تحریک ترک موالات کو شرعاً ناجائز قرار دیا، اس کے جواب میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری مقتدری بدایونی نے ایک رسالہ ''البیان'' تصنیف فرمایا جو ۱۳۴۰ھ میں وکٹوریہ پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ ''البیان'' کے زمانۂ تصنیف میں مولانا عبدالماجد بدایونی بمبئی میں مقیم تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی نے مولانا عبدالماجد بدایونی کو ایک خط ارسال کیا اوران سے متنازع جملے کی وضاحت چاہی، مولانا عبدالماجد بدایونی نے ان کے خط کا جواب دیا۔ ''**مبعوث من الله**'' کہنے سے اپنی برأت و بیزاری کا اظہار کیا اور اپنی تقریر کے اس حصہ کی وضاحت کی جس سے یہ غلط فہمی پھیل گئی تھی۔ مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی صاحب نے اپنا خط اور مولانا عبدالماجد بدایونی کا جواب من وعن اپنے رسالہ ''البیان'' کے آخر میں ''اعلان ضروری'' کی سرخی کے ساتھ شائع کر دیئے۔

''اعلان ضروری'' کے نوٹ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قادری تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہ کتاب مرتب کرنے کے بعد فقیر نے ایک عریضہ حضرت جناب مولانا مولوی عبدالماجد صاحب قادری بدایونی مدظلہم العالی کی خدمت میں حاضر کیا اور اس کی نسبت مشورہ چاہا نیز ایک خاص امر دینی میں استفہام کیا جو ان کی ذات گرامی سے متعلق تھا، حضرت مولانا نے فوراً اس کا جواب مرحمت فرما کر اپنی شان علم واظہار حق اور کمال شفقت و حسن خلق کا ثبوت دیا۔ فقیر کا عریضہ اور حضرت مولانا کا والا نامہ درج ذیل ہے''۔ (البیان، ص:۶۹)

اپنے خط میں ابتدائی تمہید کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن قادری مقتدری تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک ضرورت کو بذریعۂ تحریر مکمل کر دیجئے وہ یہ ہے کہ آپ نے

جمعیۃ علماء ہند دہلی کے اجلاس میں گاندھی کے متعلق مذکّر اور مبعوث من اللہ کہا تھا یا نہیں؟ فحوائے کلام اور اصل الفاظ کیا تھے، جلد تحریر فرما کر بھیج دیجئے''۔

مولانا عبدالماجد بدایونی اس خط کے جواب میں ابتدائی تمہید کے بعد فرماتے ہیں:۔

''گاندھی کو میں نے ''مذکر'' کہا تھا اور الفاظ و بیان کی صورت یہ تھی۔
جمعیۃ علماء ہند دہلی کے اجلاس میں مَیں تقریر کر رہا تھا کہ ایک صاحب نے مجھے ایک پرچہ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''آپ لوگ ترک موالات کیوں مانتے ہیں، یہ تو گاندھی کی تحریک ہے''۔ میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے پہلے تو یہ بتایا کہ ہرگز ترک موالات گاندھی کی تحریک نہیں، نہ گاندھی کی تحریک سمجھ کر اس کو ہم مانتے ہیں۔ اس کے بعد اہل خلاف کی طرف میں نے توجہ کر کے کہا کہ ''ان کو غصہ آتا ہے غیرت نہیں آتی کہ ان کے احکام مذہب ان کو ایک غیر مسلم بتاتا ہے۔ اگر گاندھی نے ہمارے احکام مذہب ہم کو یاد دلائے اور وہ ان کا مذکر ہو گیا تو کیا قباحت آ گئی۔ کیا کوئی ہندو نماز کے وقت کہے کہ وقت جا رہا ہے آپ لوگ نماز پڑھیں اور واقعہ ایسا ہی ہو تو کیا حکم نماز اس ہندو کا سمجھا جائے گا''۔ میں نے تصریح سے کہہ دیا تھا کہ ''ہمارے مذہب کے ایک فریضہ کے خلاف بھی اگر گاندھی یا تمام ہندو گاندھی صفت ہو کر ہم سے عمل چاہیں تو ہم سب کو ٹھکرا دیں گے''۔ اس تقریر کے وقت عمائد علماء اہل سنت میں مولانا عبدالقدیر صاحب، مولانا عبدالباری صاحب، مولانا ریاست علی خاں صاحب وغیرہ بھی موجود تھے اور خود گاندھی بھی۔ اس تقریر پر پہلے .... سے اعتراض ہوا .... کبھی تو لفظ ''مذکر بنا کر خدا نے بھیجا

ہے" بڑھایا گیا اور کبھی لفظ "مبعوث من اللہ" بین الخطین لکھا.............. اس تقریر کے بعد مجھ سے اور مولوی سلیمان اشرف صاحب سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، اور شاید ایک بار جب کہ میں آزاد قومی درسگاہ کے قیام کے لئے علی گڑھ مقیم تھا اس کا تذکرہ موصوف سے ان کے ہی کمرہ میں آیا تھا اور میں نے ان کو تصریح سے اپنی تقریر اور...... اعتراض سے آگاہ کردیا تھا"۔

(البیان، ص: ۷۱، ۷۲)

کاسگنج ضلع ایٹہ میں مولانا عبدالماجد بدایونی نے خلافت و ترک موالات کے سلسلے میں ایک خطاب فرمایا جس میں آپ نے بعض اعتراضات اور الزامات کے جواب دیئے۔ اس تقریر کو جناب محمد عبدالحئی صاحب ایڈیٹر اخبار تبلیغ آگرہ نے تبلیغ پریس آگرہ سے "ازالۂ شکوک" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس تقریر میں بھی مولانا بدایونی نے "مبعوث من اللہ" والے اعتراض کی وضاحت کی ہے۔ ابتدا میں فرماتے ہیں:-

"اخبارات میں تقریروں کی نقل اور اقوال کا اقتباس و تذکرہ اور خبروں کا اندراج غیر معمولی طور پر غیر یقینی ثابت ہو رہا ہے، جس کے ہزاروں شواہد و تجربیات موجود ہیں خود اپنے متعلق آخر میں کچھ عرض کروں گا"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"میں نے گاندھی جی کو جلسۂ جمعیۃ علماء ہند منعقدہ دہلی ۱۳۳۹ھ جس میں تمام ہند کے علما موجود تھے تحریک ترک موالات کا مذکر (یاد دلانے والا) کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ جس طرح ایک غیر مسلم اذان و وقت نماز یاد دلائے اور ہماری باتوں یا کاروبار کے سلسلہ سے یہ کہہ کر متوجہ کردے کہ "جاؤ اذان ہو رہی ہے نماز کا وقت ہو

گیا''، بلاشبہ اسی طرح گاندھی صاحب نے تحریک ترک موالات یاد

دلانے میں مدد کی اور اپنی شرکت کا اس مدد میں کافی حصہ لیا۔ پس

مبصر لوگ میرے طرز خطابت سے واقف ہیں کہ ایسی واضح مثال

دے کر سمجھا کر میرا گاندھی جی کو مذکر کہہ دینا خطابت کا ایک جملہ تھا،

مگر آہ معترضین نے اس لفظ کے خود ساختہ معنی لکھ لکھ کر حاشیئے چڑھا

چڑھا کر کہاں تک اپنے زبان وقلم کو آلودۂ گناہ کیا اور ایک غیر مسلم کو

کیا کیا کچھ نہ لکھ دیا، **نعوذ باللّٰہ منہ** .... صاحب نے لکھا

''خدا نے ان کو (گاندھی کو) مذکر بنا کر بھیجا ہے'' دوسرے ....

نے تحریر کیا ''**مبعوث من اللّٰہ**''۔ **استغفر اللّٰہ ولاحول**

ولا قوۃ الا باللّٰہ''۔

(ازالۂ شکوک، ص: ۵، ۶ تبلیغ پریس آگرہ)

مولانا عبدالماجد بدایونی کی صفائی اور برأت کے لئے خود ان کی یہ وضاحتیں بہت کافی ہیں، ان کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وفات ۔ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لے گئے تھے آپ کے ساتھ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالواحد قادری عثمانی بھی تھے لکھنؤ میں ایک مرید جناب شیخ محمد نذیر احمد صاحب کے مکان پر قیام تھا وہیں آپ نے شب دوشنبہ ۳ رشعبان ۱۳۵۰ھ / ۱۳-۱۴ ردسمبر ۱۹۳۱ء کی درمیانی رات میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

جنازہ لکھنؤ سے بدایوں لایا گیا حضور عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہ نے نماز جنازہ پڑھائی ۱۵ ردسمبر ۱۹۳۱ء کو درگاہ قادری کے جنوبی دالان میں اپنے پیرومرشد کے پائنتی دفن کئے گئے۔

☆☆☆

تذکرۂ طیبہ

۱۳۵۱ھ

از: لسان الحسان مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی

مدینۃ الاولیا:- **بدایوں** اپنی تاریخی عظمت واقتدار کے لحاظ سے ہندوستان کا وہ مبارک خطہ ہے جس کو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیا کے نام سے موسوم کیا گیا یہاں کی خاک سے وہ ذرّے تابش افروز ہوئے جو اپنے اپنے زمانہ میں آسمان شہرت کے مہر وماہ کہلائے۔ اسلامی ابتدائی فتوحات کے ساتھ ساتھ جن کا سلسلہ چھٹی صدی ہجری سے آغاز ہوتا ہے، مسلمانوں کی آمد یہاں شروع ہوئی بدایوں بہ اختلاف روایات ۵۹۰ھ یا ۵۹۹ھ میں بزمانہ سلطان قطب الدین ایبک فتح ہوکر مملکت اسلامیہ ہند کے ایک صوبہ کا صدر مقام قرار پایا۔ سلطان شمس الدین التمش تاجدار دہلی کی روحانی وسلطانی نشو ونما بدایوں ہی سے شروع ہوئی یہی وہ جلیل القدر بادشاہ ہے جس نے عامل وحاکم بدایوں ہونے کی حیثیت سے بدایوں کو قبۃ الاسلام بنایا۔ اطراف ممالک اسلامیہ سے مخصوص وممتاز باکمال وبرگزیدہ علما، فضلا، صلحا، حکما، اولیا، شرفا کو بلا کر بدایوں میں آباد کیا اور یہاں علمی ادارت، عبادت گاہیں قائم وتعمیر کرائیں۔ اسی بدایوں کی ولایت کے ہرے بھرے چمن سے شریعت و طریقت کا وہ سدا بہار پھول گل کدۂ عالم میں نگہت افروز ہوا جس کے نسیم فیض کے جھونکے آج بھی دنیائے اسلام کے لئے فردوس خداشناسی ہیں۔ یہ ذات پاک حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ کی ہے جو بدایوں ہی میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، پروان چڑھے، علمی مدارج طے کرنے کے بعد روحانی ارتقا کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور مستقبل کی انتہائی عزتیں دہلی کو مرحمت فرمائیں۔ اسی بدایوں کے انتساب سے دنیا کا عظیم ترین مورّخ حضرت ملا عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ یوروپ وایشیا کے تاریخی ذخائر میں یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دو وجود بدایوں کے وہ مایۂ ناز بزرگ ہیں جن کی لازوال شہرت کو بقائے دوام کی عزت حاصل ہے۔

خاندانی پس منظر:۔ اسی بدایوں نے اور بھی متعدد ہستیاں ایسی پیدا کیں جن کی شہرتیں بدایوں سے نکل کر بلاد اسلامیہ تک پہنچیں۔ اُن شہرت والوں میں عظیم تر عزت کے مالک تیرہویں صدی ہجری کے باکمال صاحب علم و فضل حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل الرسول القادری القرشی العثمانی رحمتہ اللہ علیہ تھے جو آج بھی عرب و عجم کے علمی حلقوں میں اُسی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جس طرح ائمہ و مجتہدین دور ماضی کے وجود قابل عزت تھے۔ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ ۲/ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ ہجری میں اگرچہ واصل بحق ہو گئے مگر آپ کے بعد آپ کے فرزندان گرامی نے آپ کی شہرت و عظمت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اُس میں ارتقاع وارتقاء کی سعی بلیغ فرمائی۔

حضرت تاج الفحول :۔ مولانا شاہ عبدالقادر مظہر حق محبّ رسول رحمتہ اللہ علیہ کا نام مبارک، آپ کے علم و فقر کے مذاکرے، ہند و عراق و عرب میں کون سی درسگاہ، کون سی خانقاہ ایسی ہے جہاں نہیں ہیں۔ آپ کی ذات والا صفات سے علوم شریعت و فیضان طریقت کے دریا بہے۔ ۱۷/ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ ہجری میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی :۔ مگر آپ نے اپنے بعد عظمت و تقدس، شریعت و تصوف، حقیقت و معرفت کا وہ عدیم النظیر وجود چھوڑا جس کے مصحفِ عارض پر تجلیات الٰہی آیات نور کی تفسیریں معلوم ہوتی تھیں، جس کی جبینِ سجدہ گزار عبادت و عبودیت کی درخشاں تصویر تھی۔ جس کے وقائع زندگی، جس کے خاموش انداز حیات صحابہ کرام اور متقدمین اولیائے عظام کے حالات و کمالات کے ہو بہو مرقع تھے، جس کی خاک آلودہ مسند ناز پر مولائے ابوتراب کا نور سایہ افگن نظر آتا تھا، جو کبھی ٹوٹی چارپائی پر عجز و نیاز کی تلقین میں مصروف تھا، کبھی مسجد کی شکستہ چٹائی پر صرفِ سجدۂ نیاز تھا، کبھی میلی کچیلی دری یا جاجم پر درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغول تھا۔ وہ شہرت سے نفور اور اہل دنیا سے دور تھا مگر اس کا اقتدار اُس کا روحانی وقار دنیا میں مشہور تھا یہ ولی مادر زاد، یہ حاملِ فیوض خداداد، یہ سجادۂ برکاتِ سلطان بغداد، یہ محبوب افراد، طبقہ اولیاء اللہ کا

خاتم، اولیاء بدایوں کے روحانی تقدس کا آخری یادگار وہ صاحبِ اقتدار تھا جس کا نام مبارک حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول غلام پیر برہانِ حق محمد عبدالمقتدر القادری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ دو چار نہیں، ہزار دو ہزار نہیں بے تعداد و بے شمار اہل نظر موجود ہیں جنھوں نے اس مجسمۂ اخلاق اس مرقع تقدس کو دیکھا ہے کہ کبھی غریبوں، حاجت مندوں کے اضطراب و اضطرار پر بادیدۂ اشکبار مصروف دعا ہیں، کبھی مسلم سلطنتوں کے تنزل و انحطاط پر زار و قطار ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں ریش اطہر کی راہ سے دامن و آستین تک پہنچی ہیں، اپنے عجز و نیاز، اپنے دیدۂ اشکبار کا دعاؤں میں توسل و اظہار ہے، دامان طلب کشادہ، دست دعا دراز ہے ترکوں کی حفاظت اور بقائے سلطنت کے لئے اصرار ہے۔ مظالم کی تعزیز پر لب دعا سرگرم گفتار ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ دعا باب اجابت سے ہمکنار ہے۔ تاثیر کا کچھ دن بعد ہی اظہار ہے۔ غرض یہ آفتاب کمال اپنی تمام تابشوں تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ قبل اس کے کہ دنیا کا سورج طلوع ہو ۱۳۳۴ھ میں سحر شنبہ ۲۵ محرم کو نہاں خانہ عدم میں جبین سجدہ گزار کو خاک عبودیت پر رکھ کر غروب ہو جاتا ہے انوار و تجلیات سے فیضیاب دنیا تیرگی و تاریکی کو خود پر محیط پاتی ہے۔

چھپا ہے چاند کچھ ایسا کہ چاندنی بھی نہیں

افق روحانیت اور مطلع تقدس پر اگرچہ وہ جگمگاتے چاند سورج نہیں ہیں تاہم بدایوں کی زمین تو وہی جو ہر آفریں زمین ہے۔ اس میں نشو و نما کے وہی آثار موجود ہیں۔ یہاں کی گرد راہ کے ذرے بدستور بلند آہنگی کے ساتھ نوا سنج ہیں۔

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

اسی عینی معینی قلزم انساب کے ایک چشمے کی دو موجیں تو یہ تھیں جن کے دریا بار فیوض کا تذکرہ گزرا اب دوسرے چشمے کی لہریں جو اب تک تلاطم خیز نہیں ہوئی تھیں جنبش میں آتی ہیں۔ سمندر کے مد و جزر کی کیفیات جن آنکھوں کا مشاہدہ ہیں وہ جانتی ہیں کہ مد و جزر کے اوقات معین ہیں۔ جن دریاؤں، جن چشموں کی طرف سمندر کی لہروں کا رخ ہو جاتا ہے

اُنھیں میں جوار بھاٹا آتا ہے۔

مولانا محی الدین قادری:۔ حضرت مولانا فضل رسول معین الحق قدس سرہٗ کے فرزند اکبر حضرت مولانا محی الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے اور فرزند ثانی حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ۔ مولانا محی الدین صاحب ۱۷؍صفر ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مظہر محمود تاریخی نام تھا۔ تمام علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد سے فرمائی۔ فن طب میں کامل دستگاہ تھی۔ بیعت اپنے جد امجد سید الاولیا افضل العبید حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ الحمیدہ سے رکھتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا۔ حاشیہ قانونِ بوعلی سینا اور حاشیہ میر زاہد حکمت و فلسفہ میں اور رسالہ شمس الایمان در ردِ سراج الایمان علم کلام میں آپ کی یادگار ہیں۔ عمر نے وفا نہ کی، ۶؍ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ بمقام سہارنپور ۲۷؍سال کی عمر میں راہی عالم بقا ہوئے اور وہیں حریم مزار حضرت شاہ نور قادری رحمتہ اللہ علیہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا الحاج حافظ مرید جیلانی:۔ ۱۹؍شعبان ۱۲۶۴ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ آپ نے ناز و نعم میں پرورش پائی، علوم مروجہ کی تحصیل اپنے عم محترم حضرت تاج الفحول رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد رحمتہ اللہ علیہ سے کی، نہایت خوش اخلاق و محبّ نواز، خوش خوراک و خوش پوشاک تھے۔ آپ کی عمر بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محی الدین قدس سرہٗ کی طرح کم ہوئی، بعمر ۳۳؍سال ۸؍ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ حکیم عبدالقیوم القادری:۔ آپ بہ اعتبار شہرت و شخصیت کے ہندوستان کے مشہور ترین علما میں سے ہیں۔ ذہن و ذکا، زہد و اتقا، خلق و ولا آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ آپ علما و عظمٰی کے طبقہ میں فخر اسلاف تھے۔ آپ کی تحریرات جہاں استدلال و معلومات سے لبریز ہوتی تھیں وہاں فصاحت و بلاغت، سلاست و لطافت کا مرقع بھی تھیں۔ طرز نگارش نہایت دل آویز و دلکش ادبی خوشنمائیوں کا آئینہ تھا۔ علما و مشائخ میں آپ کی وجاہت مسلمہ تھی۔ آپ کے عہد حیات میں ندوۃ العلما کی

بنیاد قائم ہوئی۔ آپ نے اولاً افہام و تفہیم کے ذریعہ ندوہ کے مقاصد و اغراض میں اصلاح کی سعی کی، اس میں جب مایوسی ہوئی تو مجلس علماء اہل سنت قائم کی اور اپنی قوت عمل سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اعتقادی بیداری پیدا کر دی اور علمائے اہل سنت کی تنظیم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ہر مقام پر ندوہ کے ساتھ ساتھ متقابل و متصادم مجلس اہل سنت کے اجلاس ہونے لگے۔ آپ کی خدمات ملیہ خلوص وللّٰہیت کے جذبات سے لبریز تھیں زندگی کا ہر لمحہ اس سچی ستھری اعتقادی جد و جہد کے لئے وقف تھا، جب سے آپ کی زندگی کا یہ عملی دور شروع ہوا آپ نے استراحت کو مطلقاً ترک فرما دیا اسی جہاد ملت میں غربت کے عالم میں نعمت شہادت سے فائز ہوئے۔ پٹنہ میں ندوۃ العلما کا جلسہ بھی تھا اور مدرسہ اہل سنت کا سالانہ اجلاس بھی، مولانا قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم کی سرکردگی میں طلب ہوا تھا۔ آپ نے جلسہ کی کامیابی کے لئے تمام ہندوستان میں دورہ کیا اور علماء کو شرکت کے لئے آمادہ کیا، بکثرت علماء اپنے اپنے مستقر سے پٹنہ آپ کی دعوت پر روانہ ہو رہے تھے اور ہو چکے تھے، آپ بھی علماء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ریل میں سفر فرما رہے تھے کہ وارارنگرا سٹیشن پر گاڑی رُکی، نماز فجر کا وقت تھا آپ پلیٹ فارم پر اُترے حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے، وضو کیا ریل نے سیٹی دی، آپ نے حالت اضطراب میں لپک کر چلتی ریل میں سوار ہونے کا قصد کیا، ریل تیز ہو چکی تھی، پیر پھسلا لوہے کی سلاخ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ پلیٹ فارم اور ریل کے درمیانی خلا میں گر گئے اور نہ معلوم کتنے چکروں کے ساتھ ریل کے پہیوں میں گھسٹتے چلے گئے۔ تمام مسافروں میں شور مچ گیا مولانا شاہ محمد فاخر چشتی اجملی الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ سب سے پہلے چلتی گاڑی میں سے کود پڑے، گاڑی روک دی گئی۔ یہ نازک اندام شہید ملت جس کے حسن صورت و حسن سیرت میں مدینہ کی تجلیاں، بغداد کی جلوہ آرائیاں مضمر تھیں غیبی ہاتھوں، روحانی حصاروں میں ریل سے گرتے ہی لے لیا گیا تھا۔ قادر و مقتدر مولا کی قدرت نمائیاں کارفرما تھیں، ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ ریل کے رکتے ہی بلا کسی کے سہارے حضرت شہید ملت ریل کے پہیوں سے دامن قبا چھڑاتے ہوئے باہر

نکل آئے، مولانا فاخر نے جن کے پاؤں میں سخت چوٹ آچکی تھی دوڑ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ مسافروں، ہمراہیوں میں تشکر الٰہی کے لئے تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں مگر لوگوں نے دیکھا کہ حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدا بیں آنکھیں پُر آب تھیں، شہید ملت کو ہاتھوں ہاتھ گاڑی میں سوار کرلیا گیا۔ بظاہر جسم پر کوئی خراش نہ تھی مگر دست قضا اپنا کام کر چکا تھا، روح مضمحل تھی، غشی طاری تھی، عم گرامی مولوی ستار بخش صاحب قادری نے فوراً پٹنہ، بدایوں اور مختلف مقامات کو تار دیئے، گاڑی یہاں سے روانہ ہوکر چوسہ اسٹیشن پر جہاں پلیگ کا قرنطینہ تھا رُکی وہاں یہ پوری جماعت اُتار لی گئی۔ یہاں سے بہ ہزار دقت دوسرے روز روانگی کی اجازت ملی۔ اس اچانک حادثہ کی اطلاع تمام ہندوستان میں بجلی کی طرح پہنچ گئی۔ پٹنہ اسٹیشن پر شہید ملت کے لئے ہزاروں مسلمان بے شمار علماء ومشائخ موجود تھے۔ آپ کو کرب واضطراب کی حالت میں فرودگاہ تک نہایت محفوظ طریقہ سے پہنچایا گیا، وہاں حضرت سید العرفا مولانا شاہ امین احمد صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور دیگر مشائخ کبار بہار کے اصرار پر ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، ڈاکٹر نے کسی کو ملنے، گفتگو کرنے، مریض کو جنبش کرنے کی ممانعت کردی تھی۔ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ کے حکم کے مطابق حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد صاحب چشتی نظامی سہسوانی، حضرت پیر دستگیر مولانا شاہ عبدالمقتدر غلام پیر، مولوی امداد رسول عثمانی، مولانا الحاج شاہ فضل مجید فاروقی، عمی خانصاحب مولوی ستار بخش صاحب قادری، منشی مولوی شیخ ہدایت اللہ صاحب مرحوم مخصوص طور پر تیمارداری کے لئے مقرر تھے۔ اس عاشق رسول، اس شہید ملت کو جب ذرا ہوش آتا جلسہ کی شرکت اور کامیابی کا تذکرہ زبان پر جاری ہوتا، مگر قدرت کو منظور تھا کہ مذہبی عشق، صداقت وحقانیت کی دنیا، جذبات خلوص کی ہنگامہ آرائی آپ کے سینہ کے اندر ہی رہے اور ان تمناؤں کو لئے ہوئے آپ دربار ربّ العزت میں حاضر ہوں، غرض ۱۳ رجب کو اسی حالت میں کہ تیماردار آپ کی صحت پر شاداں تھے، طبیعت روبہ افاقہ تھی یکایک دل وجگر کے ٹکڑے خون بن بن کر استفراغ کی راہ سے نکلنا شروع ہوئے۔

اُدھر جلسہ بصد کامیابی ختم ہونے کی صدا بلند ہوئی اُدھر یہ سرفروش مجاہد ملت عروس شہادت سے ہمکنار ہو کر راہی دار القرار ہوا، اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون ۔ پٹنہ ہی میں غسل میت ہوا وہیں نماز جنازہ ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت مولانا سید شاہ امین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ ہزار ہا مسلمان سیکڑوں علما و مشائخ نے نماز جنازہ میں شرکت کی ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلی نماز جنازہ تھی کہ بے شمار اولیا، مشائخ، علما، فضلا، صلحا، عمائد شریک ہوئے۔ آپ کی نعش اطہر پٹنہ سے بدایوں آئی۔ ہر ریلوے اسٹیشن پر تعزیت کرنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا جہاں گاڑی رُکتی، سوگواروں کا ہجوم نظر آتا تھا۔ بدایوں کے فدائی جہاں تک رسائی کا موقع تھا میت کی مشایعت کے لئے پہنچ گئے تھے۔ بدایوں میں اُس وقت تک ریلوے کا اجرا نہ ہوا تھا، آنولہ ریلوے اسٹیشن پر جنازہ اُتارا گیا، وہاں بھی اژدہام اور جم غفیر تھا۔ یہ ایک شہید عشق باپ کی نعش تھی جو آنولہ کی راہ سے چودہ رجب ۱۳۱۸ھ کو عظیم الشان اجتماع کے ساتھ ہمراہیوں کو خون کے آنسو رُلاتی ہوئی داخل ہوئی۔ کیا معلوم تھا کہ اب سے ۳۲ر سال کے بعد بدایوں کی دوسری شمالی راہ سے اس مقدس باپ کے مقدس بیٹے کی نعش بھی اسی شان و تجمل کے ساتھ آئے گی۔ حضرت شہید مرحوم ماہ عید الفطر ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے، تکمیل جمیع علوم بکمال ذہانت و فطانت حضرت تاج الفحول رحمتہ اللہ علیہ سے اور فن طب کی تکمیل حاذق الملک حضرت حکیم عبد المجید خاں صاحب مرحوم دہلوی سے فرمائی۔ اخذ خلافت سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ نقشبندیہ حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قادری برکاتی مارہروی رحمتہ اللہ علیہ سے کی، تمام ہندوستان نے آپ کی تعزیت کی۔ ۱۴ر رجب ۱۳۱۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آستانہ قادریہ میں مدفون ہوئے۔ زوجہ اولیٰ سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ **عبد الماجد** القادری رحمتہ اللہ علیہ اور زوجہ ثانیہ سے چھوٹے صاحبزادہ حضرت مولانا شاہ عبد الحامد صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

حضرت ماجد میاں رضی اللہ عنہ (۱۳۵۰ھ) جن کے اس پیارے نام کے ساتھ علم و فضل، فقر و عرفان، شریعت و طریقت، تدبیر و سیاست وغیرہ

کے اعلیٰ سے اعلیٰ بہتر سے بہتر اصطلاحی القاب وخطابات کا اضافہ کرتے چلے جایئے مگر جب اُس صفتِ اضافی کومولانا کے خصائص واقعی سے آپ موازنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مولانا کا منصب اس صفت خصوصی سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے جو ہم مولانا کے نام کے ساتھ اضافہ کرر ہے ہیں۔ بدایوں کی گزشتہ عظمت واقتدار کی یادگار جن مقدس ہستیوں سے ہے وہ یقیناً اپنے مقام پر ایک لازوال اور ابد قرار شہرت کے مالک ہیں اس کا مستغنی از صفات ہونا مسلمہ ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن تاریخ کی ورق گردانی کے بعد بھی وہ شہرت تامہ اوروہ مقبولیت عامہ جوحضرت ماجد میاں نے دنیائے اسلام میں پائی چھٹی صدی کے اختتام سے لے کر ۱۳۵۰ھ تک دور ماضی میں بجز اس شہید ملت کے کسی وجود میں نہیں پائی جاتی۔

حضرت شہید مرحوم کے وصال کے بعد مدتوں اخبارات ومقالات ومحسوسات نے بھی اظہار خیال کیا کہ بدایوں میں اتنا نامور اتنا مشہور اتنا ہر دلعزیز عالم فاضل صاحب قوت عمل نہ ہوا نہ ہوگا، مگر **ماجد میاں** نے اپنے مقدس والد کے تمام اوصاف کو اس شان وشوکت کے ساتھ نمایاں کیا کہ نقش اول نقشِ ثانی کی وسعتوں میں جذب ہو گیا۔

اسلامی ہند کا گوشہ گوشہ قریہ قریہ آپ کے دینی، ملی، قومی، ملکی خدمات کا معترف ہوا اور مدتوں رہے گا۔ مسلمانان ہند میں سیاسی بیداری کا آغاز جنگ بلقان اور واقعات مسجد کانپور کے زمانہ سے ہوا ہے۔ **ماجد میاں** کی عملی جد و جہد اس وقت بھی نمایاں تھی اور ہندوستان کی بیشتر مجالس واجتماعات میں آپ کی تنہا آواز **لا یخافون لومة لائم** کے ساتھ گونج رہی تھی، اُس کے بعد جس قدر تحریکات بھی ہندوستان میں شروع ہوئیں اُن میں روحِ عمل پھونکنے والے **ماجد میاں** ہی ہوتے تھے۔ کچھ تو آپ کی فطرت ہی مائل بہ ہنگامہ آرائی وعمل پسند تھی، کچھ آپ کی تربیت اُن مقدس ہاتھوں میں ہوئی تھی جو طبائع کو درس عمل دینے کے خوگر تھے۔

آپ ۴ر شعبان ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے، تقریباً پندرہ سال تک حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر مظہر حق محبّ الرسول فقیر نواز فقیر قادری رحمتہ اللہ علیہ کے آغوشِ

عاطفت میں پرورش پائی۔ آغاز بسم اللہ یعنی رسم تسمیہ خوانی کے بعد آپ کی اتالیقی اس وقت کے اعتبار سے مدرسہ عالیہ قادریہ کے منتہی طالب علم اور زمانہ موجودہ کے جید و نامور عالم و فاضل مولانا الحاج حافظ شاہ عبدالمجید القادری المقتدری متوطن آنولہ صدر مدرس دارالعلوم حنفیہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد اور مولانا مفتی شاہ محمد ابراہیم صاحب قادری بدایونی مقرر ہوئے۔ اول الذکر **ماجد میاں** کے صغرسنی کے اتالیق اور اُن کو گودوں میں کھلانے والے بھی ہیں، آپ کے ہی مکان سے زمانہ طالب علمی میں کھانا کھاتے اور شہید مرحوم کی فیض رسا نگاہوں سے فیضیاب ہوتے۔ جب مولانا سن شعور کو پہنچے تو حضرت فاضل اوحد مولانا محبّ احمد صاحب بدایونی مرحوم سے درس نظامی کا آغاز کیا۔ اس زمانہ میں روزانہ اسباق کی سماعت حضرت تاج الفحول بھی فرماتے جب استعداد میں اضافہ ہوا تو مستقل اسباق مقرر ہو گئے۔ کبھی کبھی حضرت شہید مرحوم خود امتحان اور جائزہ درسیات کا لیتے مگر چونکہ آپ سختی اور تعزیر سے دریغ نہ فرماتے تھے اس لیے حضرت تاج الفحول باپ کو بیٹے کے تعلیمی امتحانات وغیرہ لینے کی بہت کم اجازت دیتے تھے۔ **ماجد میاں** بھی جب ذرا گوشمالی ہو جاتی تو روتے ہوئے آتے اور جد امجد سے والد کی شکایت فرماتے۔ اس لئے حضرت تاج الفحول جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو **ماجد میاں** کو حضرت پیر و مرشد مقتدر اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرما جاتے۔ اس زمانہ میں جس قدر پڑھا جو کچھ پڑھا وہ مقدس دادا کی صحیح نگرانی اور ذی مقدرت پیر، ذی مرتبت باپ کی تربیت میں پڑھا۔ آپ کی عمر ۱۴ ارسال کی تھی جب والد کا انتقال ہوا۔ انتقال سے قبل حضرت تاج الفحول نے حضرت مقتدر اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ کو مثالی خلافت عطا فرمائی تو سب سے اول حضرت شہید مرحوم نے **ماجد میاں** کو دست مقتدر سے بیعت کرا دیا۔ یہ اولیت بھی **ماجد میاں** ہی کے مقدر کی تھی کہ ایک ایسے جلیل القدر شیخ طریقت کے آپ پہلے مرید ہوئے جس شیخ پر اُن کا باپ اور پیر ناز فرماتا تھا اور جس کے قلب ذاکر سے حرم کعبہ اور مسجد نبوی میں شیوخ و اولیا نے استفاضۂ روحانی کیا۔

اس زمانہ میں پیر کے حکم سے آپ نے تقریر کی مشق شروع کر دی جس کا تذکرہ مثنوی

مشق تقریر میں فقیر نے کیا ہے۔ پندرہ برس کا سن تھا کہ حضرت تاج الفحول کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والد کے جلسہ تعزیت اور جا سہ سجادگی حضرت پیر طریقت میں **ماجد میاں** نے برجستہ تقریریں کیں۔

اب **ماجد میاں** کی مستقلاً نگہداشت و کفالت اور تربیت آپ کے پیر و مرشد نے اپنے ذمہ لی یہاں تک کہ آپ حیات شیخ میں اندرون مکان گوش محل میں رہتے رہے۔

آپ کی دوسری والدہ آپ کے چھوٹے بہن بھائی یعنی حامد میاں اور اُن کی ہمشیرہ کی پرورش فرماتی رہیں۔ حضرت شہید مرحوم نے ذاتی آبائی جائداد اتنی کافی چھوڑی تھی جس سے بحمد اللہ سارا خاندان اب تک مستمند ہے۔

تعلیم و تدریس کی تکمیل اور درس نظامی کا تکملہ **ماجد میاں** نے اپنے پیر و مرشد کے فیض خصوصی سے ایک سال کے اندر کر لیا اور ۱۳۲۰ھ میں آپ تعلیم علوم دینیہ سے فارغ ہونے کے بعد فن طب کی تحصیل کے لئے دہلی روانہ کر دیئے گئے۔

تحصیل طب :- دہلی میں دو سال کے زمانہ میں جناب حکیم غلام رضا خاں صاحب مرحوم سے طب کی تکمیل کی۔ حکیم صاحب کے مکان پر جا کر روزانہ آپ پڑھتے تھے اس کے علاوہ بعض کتب کو حکیم عبد الرشید خاں صاحب سے بھی جو طبیہ کالج کے مشہور فائق الاقران پروفیسر تھے اخذ فرمایا۔ اول الذکر حکیم صاحب شریفی خاندان کے مایہ ناز بزرگ تھے اور وہ مولانا حکیم سراج الحق صاحب کے مخصوص دوست ہونے کی وجہ سے **ماجد میاں** کے ساتھ بے انتہا شفقت فرماتے تھے۔

دہلی کی اقامت میں ماجد میاں کی مناظرانہ تقریریں جو زینت محل وغیرہ میں اور دوسرے مجامع میں ہوتی تھیں بہت کافی شہرت پا چکی تھیں۔ آپ بے تکلف عیسائیوں، آریوں، غیر مقلدوں، قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے جٹ جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ دہلی کے مقدس آستانوں پر جب موقع ملتا حاضر ہوتے وہاں راتوں کو اوراد و وظائف میں بھی مصروف رہتے۔ محافل میں وعظ بھی کہتے۔ غرض دہلی میں بھی آپ کو خاصی شہرت

حاصل تھی، دہلی کی اقامت میں فقیر ضیا کا **ماجد میاں** سے سلسلہ مراسلت جاری تھا اور یہ خط و کتابت مدرسہ شمسیہ کے احیائے ثانیہ کے متعلق ہوتی تھی چنانچہ اس عاجز کی تحریک پر جو باشارۂ حضرت پیر و مرشد تھی آپ نے دہلی سے واپس آتے ہی مدرسہ کا نظم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

۱۳۲۲ھ میں حکیم غلام رضا خاں صاحب مرحوم نے سند طب عطا فرمائی جس پر جناب مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب نے بھی دستخط کئے اور مہر لگائی۔

جامعہ شمسیہ :- حضرت شہید مرحوم نے ۱۳۱۷ھ میں جب دار العلوم ندوہ کے قیام کا شہرا ہوا تو ایک بلند پیمانہ درسگاہ قائم کرنے کی تجویز سوچی، اس تجویز کو مجلس علماء اہل سنت نے عملی صورت میں لانے کی تحریک کی۔ چنانچہ اس سال جامع شمسی بدایوں میں ایک عظیم الشان افتتاحی جلسہ مدرسہ کا منعقد کیا گیا جس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا سید شاہ عبد الصمد صاحب سہسوانی، مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی و دیگر مشہور علماء نے شرکت کی، جامع مسجد ہی میں یہ مدرسہ شمسیہ کے نام سے قائم کیا گیا۔ مولانا محبّ احمد صاحب مدرس اعلیٰ بنائے گئے۔ مدرسہ کی ترقی کی تمام اسکیم اگلے سال حکیم صاحب کے شہید ہو جانے کے بعد ختم سی ہوگئی تاہم مدرسہ برابر جاری رہا اور تعلیم کا سلسلہ کسی وقت منقطع نہ ہوا۔ **ماجد میاں** کے بدایوں آنے کے بعد نئے نئے منصوبے قائم کئے گئے۔ سرمایہ جمع کرنے کے لئے جب پہلا وفد شہر سے باہر روانہ ہوا تو یہ عاجز بھی رفیق سفر تھا۔ اس وقت خواجہ عبد اللہ صاحب مرحوم، حکیم عبد الناصر صاحب، برادرم مولوی عبد الصمد صاحب خصوصیت سے مدرسہ کے نظم میں حصہ لینے والے تھے۔

ماجد میاں کی زندگی اٹھارہ سال کی عمر سے ہی خالص دینی کاموں میں صرف ہونا شروع ہوئی۔ مدرسہ کی ترقی کا کوئی پہلو نہ تھا جو فروگزاشت کیا گیا ہو، دوسری تحریکات ملی و قومی میں بھی شریک ہوتے تھے اور مدرسہ کا کام بھی اعلیٰ پیمانہ پر جاری تھا۔ بہترین مدرّس بیرون جات سے تلاش کر کے بلائے گئے شہر کے لوگوں میں تعلیم دینیہ کی طرف خاص توجہ

پیدا ہوئی کثیر التعداد طلبہ مدرسہ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ عظیم الشان جلسہ سالانہ ہوئے، جس میں شہر کے طلبہ کی تقریریں نہایت دلبستگی کا سامان ہوئیں دربار دکن سے مدرسہ کی امداد کے لئے سلسلہ جنبانی کی گئی، چھ ماہ تک **ماجد میاں** اعزم مولوی جمیل احمد صاحب قادری، مولوی واحد حسین صاحب مرحوم، مولوی عیسیٰ علی صاحب مرحوم کے ساتھ حیدرآباد رہے، تا آنکہ پندرہ سو روپیہ سالانہ امداد منظور ہوگئی۔

جناب مسٹر انگرام صاحب آنجہانی سابق کلکٹریٹ و مجسٹریٹ ضلع کے مساعی اور سابق گورنر صوبہ ہزاکسی لینسی لارڈ مسٹن صاحب بہادر کے مراحم خسروانہ سے وسط شہر میں موجودہ خوشنما قطعہ آراضی معہ عمارات سمت غربی دوامی پٹہ پر مدرسہ کے لئے عطا ہوا۔ ایڈرس جو منجانب اراکین پیش کیا گیا وہ عاجز ضیا قادری نے مرتب کیا تھا۔ مدرسہ کی عالی شان عمارت کا مکمل خاکہ جو تخمیناً ایک لاکھ روپیہ کی لاگت کا تھا اُس زمانہ کے موجودہ ڈسٹرکٹ انجینئر ہیرا خاں صاحب اکبرآبادی کی زیر نگرانی تیار ہوا اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے حضرت **ماجد میاں** نے ملک کا دورہ شروع کیا۔ علی گڑھ و بلند شہر کے مشاہیر رؤسا مثلاً آنریبل نواب سر حافظ احمد سعید خاں صاحب و آنریبل نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب و دیگر عمایدنے کافی رقوم عطا فرمائیں۔ اہالیان بمبئی نے حسب ہمت حصہ لیا۔ بیرونی اہل سخا وعطا کے علاوہ شہر کے نامور ذی حوصلہ رئیس مولوی ظہور حسن صاحب (ٹونک والا) نے شمس العلوم کا سر بفلک مینار اور دروازہ نہایت علو ہمتی سے خود اپنے ذاتی روپیہ سے تعمیر کرایا۔ کتب خانہ کی خوشنما عمارت تعمیر ہوئی، دارالحدیث عثمانیہ کا نقشہ و تخمینہ معروضات کے ساتھ دربار دکن میں پیش کردیا گیا۔ کتاب خانہ جو تعمیر ہو چکا تھا اُس کی افتتاحی رسم ادا کئے جانے کی تیاری یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ گورنر صاحب سابق الذکر کے ایما پر ہز ہائنس حضور عالیہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مرحومہ والیِ بھوپال نے صدارت جلسہ قبول کر لی تھی مگر تعمیر دارالحدیث عثمانیہ و جلسہ افتتاحی کی دونوں اسکیمیں یکا یک اپنی اپنی منزل پر ختم ہوگئیں اور ترک موالات کے دور کا آغاز ہوگیا۔ اب **ماجد میاں** کی تمام تر توجہ ملکی و سیاسی تحریکات

پر منعطف ہو گئیں، مسجد مچھلی بازار کانپور کا واقعہ ملکی توجہات کا مرکز تھا۔ مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے ساتھ **ماجد میاں** کی شرکت عمل یہیں سے شروع ہوتی ہے، اُس وقت کے صدر ایوان حکومت سے بالمواجہہ گفتگو میں مولانا محمد علی مرحوم کے خیالات ملکی کی **ماجد میاں** نے نہ صرف تائید ہی کی بلکہ مسجد کے معاملہ میں اپنی عملی جد و جہد کا اظہار بھی فرمادیا۔ اس روز سے آپ تارک موالات سمجھے جاتے تھے عدم تعاون سے جس طرح دیگر مدارس عربیہ و مدارس اسلامیہ کو حتی کہ مسلم یونیورسٹی تک کو نقصانات عظیمہ پہنچے اسی طرح شمس العلوم پر مولانا کی توجہ باقی رہی نہ اہل شہر کو کچھ دلبستگی رہی، مولانا کے ساتھ ساتھ آپ کے برادر عزیز مولانا عبدالحامد صاحب قادری سلمہ اللہ تعالیٰ کو بھی جو ابھی تک بطور نائب مہتمم مدرسہ کے تمامی عملی و انتظامی کاموں کو انجام دیتے تھے قومی و ملکی تحریکات میں برادر معظم کا اتباع کرنا پڑا۔ مستقبل میں جو کچھ ہوا وہ اعلیٰ حضرت نواب سر سید حامد علی خاں صاحب بہادر مرحوم والی رامپور کی دوسو روپیہ ماہانہ کی بیش بہا امداد تھی جس سے مدرسہ کی مالی حالت قوی سے قوی تر ہو گئی اور نظم مدرسہ میں اپنے مہتمم کی کم توجہی سے بھی کچھ اثر نہ پڑا۔ مدرسہ کے میدان میں وہ عظیم الشان جلسے تو اس دور میں بالکل بند ہو گئے جن کی شان و تجمل مسلمانوں کی جذب توجہ کا سامان تھی، صرف سالانہ امتحان کے موقع پر مشاہیر علماء بغرض امتحان آتے اور خاموشی کے ساتھ امتحانات ہو جاتے۔ مولانا اپنی زندگی کے آخر ایام میں یہ آخری امتحان کا منظر بھی نہ دیکھ سکے اور جن علماء کو آپ نے شعبان ۱۳۵۰ھ ہجری کے سالانہ امتحان کے لئے بدایوں آنے کی دعوت دی تھی اس میں سے اکثر آئے مگر یا تو انھوں نے مولانا کی کفن بر دوش میت اور ابدی زندگی کا مشتاق چہرہ دیکھا یا آپ کے مزار کو دیکھ کر آپ کی فاتحہ پڑھی۔

ازدواجی زندگی:۔ مولانا کی متاہل زندگی کا آغاز ۱۳۲۰ھ سے ہوا، آپ کے پیر طریقت ہی نے آپ کی شادی کی اور شادی کے مقامی رسومات شرعی حدود کے اندر ادا فرمائے۔ مولانا ابرار الحق صاحب کیف بدایونی مرحوم کی صاحبزادی آپ کے حبالۂ عقد

میں آئیں، دو صاحبزادے اور دو لڑکیاں مولانا نے عقب میں چھوڑیں۔ بڑے لڑکے مولوی عبدالواجد سلمہ کی ایک اور چھوٹے لڑکے مولوی عبدالواحد سلمہ کی دو شادیاں مولانا نے نہایت اعلیٰ ہمتی سے کیں جس میں ملکی وسیاسی قائدین اور دیگر احباب مولانا نے ہر موقع پر شرکت کی، افسوس کہ دونوں بچیاں بوجہ صغر سنی کی ناکتخدا رہیں اور تیس برس تک کی رفیقۂ حیات کو مولانا نے اپنے بچوں بچیوں کی نگہداشت کے لئے بحالت بیوگی چھوڑا۔

عملی زندگی:۔ مولانا کی زندگی اگر زمانہ تعلیم کو شامل کیا جائے جو مسلم نقطۂ نگاہ سے مقدم فریضہ ملی ہے تمام کی تمام باستثناء کم سنی ملت و مذہب کے لئے وقف تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ جس دن دہلی چھوڑ کر بدایوں آئے مجھے یاد نہیں آتا کہ بحالت تندرستی کوئی دن مولانا کا مذہبی خدمات سے خالی گذرا ہو۔ اگرچہ ناز و نعم میں پرورش پائی تھی، پیرزادہ ہونے کی حیثیت سے ہر قسم کی آسائش واستراحت کے سامان حاصل تھے مگر بایں ہمہ آپ کو نچلا بیٹھنے اور خالی رہنے سے سخت نفرت تھی۔ شمس العلوم کی ترقی کی اسکیمیں سوچی جارہی ہیں، نصاب تعلیم کو حسب منشا جاری کرنے کا خیال ہے، آج مشورہ ہوا دوسرے روز دیکھا کہ مولانا تالیف وترتیب کتاب میں مصروف ہیں۔ خلاصۃ العقائد لکھی جارہی ہے رسالہ احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام مصنفہ حضرت تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اردو میں ترتیب دی جارہی ہے، مولانا کتب خانہ میں جمے ہوئے ہیں، قلم تیزی سے رواں ہے، حویلی سے خادمہ دو دو تین تین مرتبہ آرہی ہے، کھانے کا تقاضہ ہورہا ہے، مگر مولانا جنبش نہیں کھاتے، ظہر کا وقت ہوجاتا ہے، اذان ہوتی ہے، نماز میں شیخ طریقت سے کلمات شکایت سنتے ہیں کہ "**ماجد میاں** ہم نے دوبار کھانے کے لئے بلایا مگر تم نہیں آئے"؟ آپ نادم ہو کر معافی خواہ ہوتے ہیں، غرض یہی حالت ہر تصنیف و تالیف کے وقت آپ کی ہوتی تھی۔ قلم اُٹھانے کے بعد پھر رکتا ہی نہیں تھا۔

قلمی خدمات:۔ تصنیف وتالیف میں ادبیت کی شان، انداز بیان، تحقیق و تدقیق، استدلال واستناد آپ کے جوہر ذاتی تھے، دربار علم تحریر فرمارہے ہیں روزانہ ایک

تقریر ایک صاحب فن بزرگ کی طرف سے تحریر کی جاتی ہے، ہر تقریر میں فصاحت وبلاغت کے دریا موجزن معلوم ہوتے، کیا ممکن کہ ایک بیان کا طرز نگارش دوسرے بیان سے کہیں پر مطابق تو ہو جائے۔ اعتقادیات میں مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی کے رسائل کا ردفرما رہے ہیں کتابوں کے ذخائر سامنے موجود ہیں بجز مخصوص احباب وعلماء کے دوسروں کو پاس آنے کی ممانعت ہے، صبح سے شام تک اور رات رات بھر مطالعہ کتب بھی ہو رہا ہے، تحریری استناد کی جستجو بھی جاری ہے اور کتابت بھی ہو رہی ہے۔ سیاسی مسائل پر زور قلم صرف کیا جا رہا ہے تو چوبیس گھنٹہ قلم ہاتھ میں ہے۔

غرض جب تصنیف وتالیف پر مائل ہوتے ہیں تو لکھنے کی دھن بندھ جاتی ہے۔ بے شمار کتب ورسائل، ہزارہا مضامین طباعت واشاعت پا چکے، اس شغف پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا یقیناً ایک ایسا مطمئن انسان ہے جس کو گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر سوائے مقالات نویسی کے دوسرا کام نہیں ہے۔

رسائل مطبوعہ:۔ (۱) خلاصۃ العقائد (۲) خلاصۃ المنطق (۳) خطبات عربیہ جمعہ وعیدین (۴) خلافت الٰہیہ (۵) خلافت نبویہ (۶) فلاح دارین (۷) عورت اور قرآن (۸) الاظہار (۹) المکتوب (۱۰) دربار علم (۱۱) فصل الخطاب (۱۲) درس خلافت (۱۳) جذبات الصداقت (۱۴) اعلان حق (۱۵) سمرنا کی خونی داستان (۱۶) کشف حقیقت مالابارو غیرہ وغیرہ۔

ان تصانیف کے علاوہ بے شمار خطبات ومقالات ومضامین کا تو ذکر ہی نہیں جو دوسروں کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے۔

شاعری:۔ مولانا کی توجہ فی الشعر منجملہ کمالات فطری کے ہے، قدرت نے ان کو وہ بلند فکر ودماغ عطا فرمایا تھا کہ جس کی رفعت خیال، جس کی وسعت پرواز عالم تخیل کے حدود سے مافوق معلوم ہوتی ہے۔ مشق شعر کی طرف جس زمانہ میں خیال راغب تھا مجھے یاد ہے کہ وہ مخصوص اوقات فرصت جس میں خصوصی چند احباب شریک ہوتے تھے عجب بار کیف

گذرتے تھے۔ عشاء کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ کے بالائی کشادہ صحن میں مولانا ہم چند احباب کو لے کر بیٹھے ہیں، دونوں دروازے مدرسہ کے بند ہو چکے ہیں، مولانا کسی ایک خیال، کسی ایک صفت کا اظہار کر دیتے ہیں، اب ہر شخص گھنٹوں شعر پر شعر کہے چلا جا رہا ہے۔ کبھی کوئی مصرعہ دیدیا ہے، برجستہ اشعار ہو رہے ہیں گھڑی سامنے رکھی ہے کبھی آدھ منٹ کی شرط ہے کبھی ایک منٹ کا وقفہ ہے۔ خود بھی برابر جلد جلد شعر کہے چلے جاتے ہیں دوسروں کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے، شاعرانہ داد بھی دی جاتی ہے زجر و توبیخ بھی ہوتی ہے، نقد و تبصرہ بھی کیا جاتا ہے۔ کتنی ہی راتیں ایسی گذری ہیں کہ صبح کی اذان ہو گئی ہے جب کہیں جا کر یہ مشغلہ ترک ہوا ہے۔

اسی مذاق سلیم کا اثر تھا کہ مولانا نے آستانہ قادریہ پر بزمانہ عرس قادری مستقل مناقب خوانی کی ایک مجلس قائم کی۔ آپ اپنے مرشد طریقت کے زمانہ وصال تک عرس قادری کے مہتمم تھے۔ اُس زمانہ کی مجالس عرس جو روحانیت و قادریت کا عظیم الشان مظاہرہ ہوتی تھیں آپ کے اہتمام کے اختتام کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں تھیں مگر اُس مجلس منقبت کا اعادہ آپ کی ہر تقریب میں بطور ایک جزو کے لازمی ہوتا تھا۔ عرس قادری میں جب تک یہ صحبت قائم رہی آپ برابر غزل پڑھتے، علاوہ مقامی شعراء کے بیرونجات کے مشاہیر شعراء بکثرت شریک صحبت ہوتے تھے۔ عرس پاک کی یہ رات بقول حضرت مولانا فاخر مرحوم الہ آبادی خدائی رات ہوتی تھی۔ زمانہ سفر عراق میں جب کہ آپ اپنے شیخ طریقت کے ہمراہ عتبات عالیات بغداد شریف، کربلائے معلی، نجف اشرف، کاظمین الشریفین میں حاضر ہوئے تو آپ نے مناقب حضور غوث پاک و دیگر اولیائے کرام میں پورا دیوان مرتب کیا۔ برجستہ گوئی آپ کا حصہ تھی۔ آستانہ غریب نواز، دربار کلیئر، بارگاہ سالار مسعود غازی میں بسا اوقات آپ نے مجالس سماع میں کیف خصوصی کے عالم میں برجستہ شعر کہنا شروع کر دیئے ہیں اور اہل ذوق نے قوالوں سے وہ شعر پڑھوا کر مجالس کو وجدانہ کیفیات کا مظہر بنا دیا ہے۔ وسط ماہ رجب ۵۰ھ میں عرس نوری کے موقع پر مارہرہ شریفہ میں مدتوں بعد مگر آخری بار

نعت شریف کے اس مصرعہ طرح پر

کھڑے دیکھا کریں گے حشر میں صورت محمدؐ کی

خود اپنی زبان سے مجلس مشاعرہ میں آپ نے غزل پڑھی۔

سیاسی زندگی:- مولانا کی زندگی کا یہ دور ایک عظیم الشان خدمات ملکی وملّی کا دور ہے۔ اسلامی ہند میں سیاسیات غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ایک خطرناک سازش اور ایک علانیہ بغاوت کے مترادف تھی۔ برسوں اسی سکوت و جمود کی حالت میں گذر گئے۔ اگر کچھ لہر پیدا بھی ہوئی تو وہ غیر مسلم اکثریت میں اور کانگریس کی صورت میں ایک ملکی جماعت خاموش ارادوں، دھیمی آوازوں کے ساتھ معروضات لے کر دامان طلب پھیلا کر آگے بڑھی۔ مسلمان سلطنت کھو کر مٹ چکے تھے، مٹائے جارہے تھے اُن کے ذہن و دماغ مطالبات کے واہمہ سے بھی لرزتے تھے۔ عزّت و وقار کے روز افزوں علانیہ فقدان کے بعد متحرک ہوئے تو اس قدر کہ انگریزی تعلیم کو معراج اقتدار بنایا۔ ۱۹۱۲ء تک اور اُس کے بعد بھی ۱۹۱۹ء تک نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ وفادارانہ جذبات کے مظاہروں میں اپنی کامیابی کا راز مضمر سمجھتی تھیں۔ اس زمانہ میں دنیا نے دوسرا پلٹا کھایا، وہ مطالبات جو زیر سایہ برطانیہ پروان چڑھنے کے تمنائی تھے، اب حکومت خوداختیاری کے چاہت سے لبریز نظر آنے لگے، اُدھر جنگ بلقان کے آغاز ہوتے ہی مسلمانوں کے وہ جذبات جو خلافتِ اسلامیہ کے ہلالی پرچم کی ذراسی لہروں سے طلاطم خیز ہوجاتے تھے، حریف طاقتوں کے مظالم سے بھڑک اُٹھے، ترکوں کی ہمدردی میں مسلمانوں کی تمام قوتیں ہم آواز تھیں۔ اُس وقت کی سیاست یہی تھی کہ متفقہ آواز سے حکومت برطانیہ کو جو دنیا کی تمام طاقتوں سے زیادہ مسلمانوں کی حکمراں ہے متاثر کیا جائے اور بالواسطہ دوَل بلقان پر اثر ڈالا جائے۔

خدام کعبہ:- مجلس خدام کعبہ اس زمانہ میں قائم ہوئی جس کا مرکز فرنگی محل اور جس کے قائدین علی برادران تھے۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب علیہ الرحمۃ مع مولانا شوکت علی صاحب لکھنؤ میں مرکز قائم کر کے سب سے پہلے بدایوں تشریف لائے اور سرکار

مقتدر اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے طلب استعانت و درخواست شرکت کی۔ **ماجد میاں** کو خدام کعبہ کی خدمت پر مامور فرمایا گیا۔ اس ایما و اجازت کے بعد **ماجد میاں** خدام کعبہ کے علمبردار کی حیثیت سے آناً فاناً تمام اسلامی ہند پر چھا گئے۔ ابھی تک ترک موالات کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ فتح اڈریانوپل کا جلوس بدایوں میں ایک تاریخی واقعہ کے طور پر ہمیشہ یادگار رہے گا جس نے **ماجد میاں** کو چنگی کی اجازت و عدم اجازت نے ایک عجیب امید و یاس اور کشمکش میں ڈال دیا تھا۔ چیئرمین میونسپل بورڈ بدایوں کی اولاً اجازت پھر تنسیخ حکم اور ممانعت نے تمام شہر میں سنسنی پیدا کر دی تھی۔ ایک ہفتہ کی ناامیدیوں کے بعد مسٹر انگرام صاحب بہادر مجسٹریٹ ضلع کا اجازت دے کر جلوس کو نکلوا دینا خود شرکت کرنا باعث تشکر تھا۔ اسلامی فتح کا یہ عظیم الشان جلوس جامع مسجد شمسی سے شروع ہو کر آستانہ حضرت سلطان العارفین رضی اللہ عنہ تک جس تجمل و احتشام کے ساتھ پہنچا اور تمام مسلم آبادی اور بیرونی اسلامی جماعتوں نے جس خلوص کے ساتھ شرکت کی وہ اب تک ماجد میاں کا سنہرا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح فتح سمرنا کا دوسرا جلوس دوسری یادگار ہے۔ مجلس خدام کعبہ جنگ بلقان کے اختتام کے بعد مجلس خلافت سے بدل گئی اور جنگ عظیم میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت یہی مجلس خلافت تھی۔ ۱۹۲۹ء تک یہی جماعت سیاست ہند پر غالب رہی۔ **ماجد میاں** اپنی مقبولیت عامہ اور خدمات جلیلہ کے سبب ملک کے مسلمہ مقتدر قائدین میں تھے اور قائدین کی جماعت آپ کی قیادت میں نشو و نما پاتی تھی۔ عہدوں اور صدارتوں سے آپ بالکل بے نیاز تھے جس کو چاہا میدان عمل میں لے آئے۔ آج فلاں صوبہ خلافت کا جلسہ، آج فلاں ڈویژن خلافت کا جلسہ ہے، آج فلاں ڈسٹرکٹ خلافت کا جلسہ ہے، یہ تمام جلسہ آپ کی ہمت عمل سے منعقد ہوتے اور آپ جس کو آگے بڑھانا چاہتے اُس کو صدارت کے لئے نامزد کر دیتے۔ اس طرح خلافت کی تحریک تمام ہند میں مقبول ہو گئی، بدایوں میں خلافت کانفرنس کا عظیم الشان جلسہ بھی جس میں تمام ملکی قائدین کا اجتماع تھا آپ ہی کی یادگار کہا جا سکتا ہے۔

جمعیۃ العلماء :- خلافت کانفرنس کے دوران شباب ہی میں جب کہ علماء ملت انفرادی حیثیت سے سیاسی پلیٹ فارم پر رونما ہو چکے تھے۔ فرنگی محل لکھنؤ میں علماء ہند کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور مذہبی نقطۂ نظر سے سیاسیات حاضرہ پر تبصرہ ہوا، علماء کو منظّم کرنے اور مفاد ملت اسلامیہ کے تحفظ کے لئے جمعیت علما کے قیام کا اعلان ہوا۔ صوبہ میں جمعیۃ علماء کے مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت کا تمام نظام **ماجد میاں** کے ہاتھ میں تھا اور ہندوستان بھر میں آپ ہی نے اپنی انتھک قوّتِ عمل کے ساتھ علما کے کھوئے ہوئے اثر و اقتدار کو از سر نو سطح بلند تک پہنچایا جن لوگوں نے کانپور میں بصدارت حضرت مولانا قیام الدین عبد الباری رحمتہ اللہ علیہ اور بریلی میں بصدارت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد جمعیۃ کے اجتماعات اور مظاہرات عظیمہ کو دیکھا ہے وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ کانپور میں تنہا شبانہ روز بلا آرام و استراحت مولانا اتنا مہتم بالشان کام بھی انجام دے رہے ہیں اور مقامی مخالف و موافق فضا کو بھی ہموار فرما رہے ہیں۔ یہ جمعیۃ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مولانا ہی کے ہاتھوں سے پروان چڑھی اور مولانا ہی کی مخالفت کے الزام میں مولانا کے علیحدہ ہوتے ہی نگاہوں سے گری۔ جمعیۃ نے ذاتی کاوشوں، شخصی عداوتوں، دیرینہ خود غرضیوں کو فرقہ بندی کی ہواؤں میں نشو و نما دی اور عہدوں کی ہوا و ہوس میں ملکی و ملی مفاد کو برباد کیا، باوجود ضابطہ و اصول کی تائید کے مولانا محمد علی مرحوم کی صدارت سے جو کانپور کے سالانہ جلسہ کے لئے اکثریت سے طے ہوگئی تھی، اعتراض کیا جس کے باعث مولانا نے اور آپ کے ساتھ تمام آپ کے ہم عقیدہ ہم خیال علماء نے جمعیۃ سے استعفیٰ دے کر علیحدگی اختیار کر لی۔ مولانا نے دوسری جمعیۃ علماء قائم کر دی اور امروہہ میں اول الذکر جمعیۃ کے سالانہ جلسے کے متوازی دوسری جمعیۃ کا جلسہ بیک وقت قائم کر کے دکھا دیا کہ ہر تحریک کی عدم کامیابی اور کامیابی میں مولانا کی عظمت و وجاہت کس حد تک کارفرما ہے۔

تبلیغ و تنظیم :- ۱۹۱۹ء لغایۃ ۱۹۲۲ء ہندو مسلم اتحاد کا زمانہ تھا مولانا انڈین نیشنل کانگریس کے بھی ویسے ہی قائد تھے جیسے مسلم مجالس کے، ایک طرف آپ مسلم

یونیورسٹی علی گڑھ میں سنگینوں کے پہروں میں ترک موالات کا درس طلبہ کو دیتے ہیں دوسری طرف ہندو یونیورسٹی بنارس میں زور تقریر سے روح آزادی پیدا کر دیتے ہیں۔ بدایوں جیسی مختصر شہریت والی بستی میں صرف چوبیس گھنٹہ کے نوٹس پر مسٹر گاندھی جیسی بلند پایہ شخصیت کو بلا لیتے ہیں۔ بڑے سے بڑے ہندو مسلم لیڈر آپ کے اشارہ پر بدایوں آجاتے ہیں، شہر کی تمام آبادی بلا اختلاف مذہب وملت مولانا کی ان خدمات کی ہمیشہ معترف رہی اور رہے گی۔

اتحادی فضا کو بہت جلد لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند صاحبان آنجہانی وغیرہ کی سنگھٹن اور شدھی کی تحریکات نے برباد کر دیا۔ مسلمانوں نے مجموعی طور پر کچھ دنوں ان تحریکات کے اثرات ونتائج کو انگیز کیا مگر جب دیکھا کہ ہندو اکثریت مساعی اتحاد کو پے در پے ٹھکرا رہی ہے اور ایک طرف اپنی قومی تنظیم اور دوسری طرف ملکانوں میں ارتدادی تدابیر کی اشاعت میں منہمک ہے تو جواباً تنظیم وتبلیغ کی جماعتیں قائم کی گئیں۔ تنظیم کی عنان نظامت ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ہاتھ میں لی مگر پنجاب میں عملی کامیابی کا فقدان دیکھ کر یو۔ پی۔ سے کام کا آغاز کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ مولانا ہی نے تمام یوپی میں تنظیم کی تحریک کو کامیاب بنایا۔ غرض تنظیم کی ابتدائی تحریک بھی مولانا کے دم سے کامیاب ہوئی اور دوسری تحریک بھی جوالہ آباد سے زیر قیادت حاجی سید محمد حسین صاحب بیرسٹر عمل پذیر ہوئی۔ مولانا ہی کی ذات سے آگے بڑھی اور آپ کا تنظیمی پروگرام ابھی اخبارات میں زیر تنقید ہی تھا کہ مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ تبلیغ کے سلسلہ میں مولانا کے مستقل خدمات زندگی کا اہم جزو ہیں۔

جمعیۃ تبلیغ قائم کرنا:- ملکانوں کی آبادیوں میں مہینوں چکر لگانا، رمضان شریف میں گرمیوں کی تپتی ہوئی زمینوں پر پاپیادہ سفر کرنا، ارتداد سے مسلمانوں کی حفاظت کرنا، متھرا، آگرہ، بدایوں وغیرہ اور دیگر بلاد ہند میں تبلیغی اجتماعات کرنا، یہ وہ خدمات ہیں جن کی تفصیل کے لئے خواجہ حسن نظامی، مولانا سید غلام بھیک نیرنگ، کنور عبدالوہاب خاں صاحب، مولانا سید عبدالحیٔ صاحب کے قلم اگر متحرک ہوں تو مبسوط

رسائل پیش نظر آسکتے ہیں۔

مسلم کانفرنس :- مختلف قومی و مذہبی انجمنیں بنیں اور بگڑیں مگر مولانا یکساں شغف کے ساتھ ہر مفید تحریک میں جس سے اسلامی مفاد بھی متعلق رہا شریک رہے آخر میں مسلم لیگ و خلافت کانفرنس کے انحطاط کے بعد یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں تمام مسلم جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے اور سر آغا خان کی صدارت میں مسلم بورڈ کا مشترکہ جلسہ قائم ہوا جس میں متحدہ طور پر چودہ مسلم مطالبات انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ بطور تصفیہ حقوق منظور کئے گئے اور مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ مولانا شروع سے آخر تک ان مطالبات کے مؤید اور مسلم کانفرنس کے سرگرم کارکن یا روح رواں تھے۔ مولانا کی زندگی کی آخری ساعتیں اسی مسلم جماعت کی مجلس عاملہ کے انعقاد اور بحث و تلخیص و ترتیب دستور العمل میں صرف ہوئیں۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو مجلس عاملہ کا جلسہ سلیم پور ہاؤس لکھنؤ میں شب کو ساڑھے نو بجے تک ہوتا رہا۔ دن میں مولانا راجہ صاحب سلیم پور کے یہاں مہمان رہے اور بعد ختم جلسہ لکھنؤ صدر بازار میں دوسری جگہ تشریف لے گئے اسی جگہ مولانا کا وصال ہوا۔

خصائص :- مولانا کی زندگی کی چند خصوصیات ایسی ہیں جن سے مولانا کا ہمہ صفت موصوف ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے جس خاندان کے مولانا ایک فرد تھے وہ خاندان ہندوستان کے اُن قدیم گھرانوں میں سے ہے جہاں سے علم و عرفان کی نشر و اشاعت ہوئی، علم و فقر دونوں مولانا کے گھر کی خداداد نعمتیں ہیں۔ اس لئے علمی وقار تو آپ کا مسلمہ تھا جن علمی ہاتھوں میں آپ نے پرورش پائی اُس کا اعادہ بیکار، علم کے ساتھ عمل ایک ایسی ودیعت عظمیٰ آپ میں تھی جس نے آپ کو معراج کمال تک پہنچادیا۔ کوئی شک نہیں کہ آپ مجسم عمل تھے سخت سے سخت بیماریوں، سخت سے سخت حادثات سے بھی آپ کے عمل میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

لکھنؤ میں آپ کی اہلیہ زیر علاج ہیں، مرض نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے مگر آپ عیادت و تیمارداری کے اوقات کے علاوہ ہمہ وقت مذہبی خدمات میں مصروف، گھر سے کبھی بہو کی علالت و جاں کنی کا تار جاتا ہے کبھی پوتے کے انتقال کی خبر پہنچتی

ہے مگر آپ کے عمل میں فرق نہیں آتا۔ جدہ وفد خلافت کے ہمراہ گئے ہوئے ہیں، شریف علی سے مکالمات جاری ہیں بعض خفیہ سازشیں وہاں آپ پر منکشف ہوتی ہیں جن سے بعض اوقات خود آپ کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے مگر آپ کے عمل، آپ کے عزائم، آپ کے استقلال میں فرق نہیں آتا۔

خلوص و محبت :- ہر یگانے ہر بیگانے سے آپ ایک والہانہ اظہار محبت کے ساتھ ملتے بعض اوقات قبض و بسط کی حالت آپ پر طاری ہوتی۔ انقباض کی حالت میں آپ کو بڑی سے بڑی شخصیت متاثر نہ کر سکتی لیکن یہ حالت شاذ و نادر مزاج پر غالب ہوتی۔ زیادہ تر بسط کی حالت میں آپ رہتے، مزاج ہر وقت شگفتہ طبیعت ہر ملنے والے کی ادا شناس اجنبی سے اجنبی بھی مل کر خوش ہوتا۔ وطن پرستی کا یہ عالم کہ پردیس میں کسی وطنی کو دیکھتے خوش ہو جاتے، بھری مجلس میں خواہ کہیں ہوں اگر کوئی بدایوں کا شخص نظر آجاتا ممبر یا اسٹیج سے اس کو اپنے برابر بلا لینے کی کوشش فرماتے۔ اپنے اکابر کے متوسلین کی انتہائی عظمت و تکریم فرماتے۔ بیماروں کی عیادت کو جاتے۔ جب بدایوں آتے اور کسی موت کی خبر پاتے بلا تکلف تعزیت و فاتحہ خوانی کے لئے مکان میت پر تشریف لے جاتے۔ اپنے برادران طریقت کو ہر جگہ سراہتے، اپنی والدہ صاحبہ اپنی پیرانی صاحبہ کی رضا جوئی کو جزو ایمان جانتے۔ جس دفعہ باہر سے آتے التزاماً دونوں جگہ مزاج پرسی کو حاضر ہوتے۔ ہر امکانی خدمت کو وجہہ سعادت سمجھتے۔ چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ اپنے بچوں اور اپنے بچوں کے بچوں کو ہر لمحہ پیار و محبت کی نظر سے دیکھتے۔ باہر سے بچوں اور بڑوں، دوست و احباب کے لئے تحفے تحائف لاتے، چھوٹے بھائی کو جان سے زیادہ عزیز جانتے۔ بھائی کے مزاج کے خلاف اگر بچوں سے احیاناً کوئی بات ہو جاتی تو بچوں کو سرزنش فرماتے۔ غرض آج جس سے دریافت کیجئے وہ یہی کہے گا کہ سب سے زیادہ مجھ سے مولانا محبت فرماتے تھے۔ بدایوں میں ایک بیکس پیروں سے معذور مولانا کے رضاعی بھائی ہیں وہ ہمیشہ عیدین پر مولانا کے یہاں آتے ہیں میں نے کبھی نہ دیکھا کہ مولانا بیسیوں آدمیوں میں سے اُٹھ کر نہ گئے ہوں

اوران صاحب سے معانقہ نہ کیا ہو اور سامنا ہونے پر ان کے ساتھ سلوک نہ کیا ہو۔

وعظ :- عجب روح پرور معلومات سے پُر جذبات برانگیختہ کرنے والا ہوتا تھا۔ ہندوستان میں آپ عدیم النظیر واعظ اور خطیب اعظم تھے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ آپ کی تقریر تحریر سے زیادہ ادبی دل آویزیوں کا خطبہ ہوتی تھی کوئی واعظ آپ سے بہتر اردو بول ہی نہیں سکتا تھا۔ عربی و اردو میں یکساں تقریر فرماتے تھے۔

سفر :- عمر کا بیشتر حصہ سفر ہی میں بسر ہوا، شبانہ روز سفر جاری رہتا تھا۔ پہلا سفر عارفانہ رنگ میں اپنے شیخ طریقت کی ہم رکابی میں عراق کا ہوا۔ دوسرا وفد خلافت کے ساتھ جدہ و مصر وغیرہ کا ہوا۔ تیسرا سفر تمام ہندوستان کے شمال و جنوب اور شرق و غرب کا تحقیقاتی کمیٹی کانگریس و خلافت کے ساتھ بہ ہمراہی مسیح الملک مرحوم و پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف جماعتوں کے ساتھ ہمیشہ سفر ہی سفر تھا۔ ہندوستان کا کوئی شہر شاید ایسا ہو جہاں آپ نہ پہنچ سکے ہوں۔ ان ہی سفروں کے سلسلہ میں سفر آخرت بھی آپ کو پردیس ہی میں پیش آیا۔

عارفانہ زندگی :- آپ کی عارفانہ زندگی نہایت باکیفیت تھی۔ ۱۳۱۹ھ سے ۱۳۳۳ھ تک آپ عرس قادری بدایوں کے مہتمم رہے۔ ابتدائی زمانہ اگرچہ آپ کے آغاز شباب کا تھا۔ عرس حضرت تاج الفحول فقیر قادری رحمتہ اللہ علیہ ۱۴ر سے ۱۸ر جمادی الاول تک ہوتا تھا لیکن دو ماہ پہلے سے آپ ہمہ تن مصروف انتظام ہوتے تھے۔ یکم جمادی الاول سے آستانہ قادریہ میں اقامت شروع ہو جاتی تھی۔ آپ کے ساتھ ہم جیسے تقریباً سب کے سب خدام آستانہ بھی شب کو درگاہ پاک میں رہتے تھے۔ ایام عرس میں مولانا تمام خدمات عرس بھی ہمہ اوقات انجام دے رہے ہیں اور شب کو مزار پاک کے مواجہ میں صبح تک مراقبہ میں بھی مصروف ہیں یہی حالت دیگر اماکن مقدسہ پر بھی ہوتی۔ جہاں تک یاد ہوتا ہے ۱۳۲۳ ہجری میں آستانہ حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ حضرت دیوان صاحب سابق مرحوم نے سماع خانہ میں بروقت فاتحہ ہی شب کو حاضری کا حکم دیا۔

مولانا کی ہمراہی میں اعزم مولوی جمیل احمد صاحب اور میں نیز مولوی عیسیٰ علی مرحوم تھے۔
مولوی عیسیٰ علی مرحوم تو مکان پر رہے ہم تینوں ٹھیک اُس وقت کہ سماع خانہ میں فاتحہ کا آغاز ہوا، پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد مجلس سماع سے جب اُٹھنے کا قصد کیا حضرت شبن میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلوی نے جو سر برآوردہ مشائخ تھے، دامن پکڑ لیا کہ واہ مولانا خواجہ کے آستانہ میں آکر مجلس سماع سے یوں تہی دامن جا رہے ہو بیٹھو۔ آخر ہم صبح تک مختلف کیفیات کے ساتھ شریک مجلس رہے، اُس دن سے مولانا کو سماع کا ذوق پیدا ہو گیا۔
ایک مرتبہ حضرت شیخ کی ہمرکابی میں آستانہ برکاتیہ دربار مارہرہ شریفہ میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ عرس نوری کی خرقہ پوشی کی تاریخ تھی حضرت سیدی مہدی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم کے حکم سے **ماجد میاں** مجلس سماع میں طلب کر لئے گئے۔ میں نے کفش برداریٔ شیخ میں حاضری کا عذر کر دیا نصف شب گذرنے کے بعد جب حضور شیخ نماز تہجد کے لئے اُٹھے میں نے وضو کرایا دریافت فرمایا **ماجد میاں** کہاں ہیں میں نے عرض کیا حضور مجلس سماع میں بلائے گئے ہیں ارشاد ہوا تم کیوں نہیں گئے اور وہ بغیر تمہارے اکیلے کیسے چلے گئے میں نے عرض کیا جرأت نہیں ہوئی کہ قدوم پاک سے جدا ہو کر قوالی میں جاتا۔ ارشاد ہوا کہ اگر توجہ الی اللہ ایک ساعت کے لئے بھی مجلس سماع میں اہل اللہ کو حاصل ہو جائے تو یہ بہتر ہے اُس سے کہ واعظ کی مجلس میں بیٹھ کر مسلمان خطرات نفسانی میں مبتلا ہو جائے۔ ہمارے **ماجد میاں** کو اللہ خطرات نفس سے بچائے اور اہل اللہ کا سچا ذوق عطا فرمائے۔ ممکن ہے یہ دعائے نیم شبی **ماجد میاں** کے ذوق سماع میں معین ہوئی ہو۔ اجمیر شریف التزاماً، آستانہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ پر گاہے گاہے، بہرائچ میں درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ پر سالانہ عرس کے موقعوں پر حاضر ہوتے۔ وہاں معمولات خاندانی ادا فرماتے۔ شب بیداری خاص مشغلہ ہوتا، دن میں وعظ و تلقین میں مصروف رہتے۔ رمضان شریف میں بھی شب بیداری کا مشغلہ تھا۔ مدرسہ شمس العلوم میں برسوں شبینہ کا ذوق رہا۔ منجانب پیرانی صاحبہ دام ظلہا ۲۵ رمضان المبارک کو دن میں

پیر کے آستانہ پر روزہ افطار کراتے، شب کو مکان پر قصیدہ بردہ شریف کے ختم کے ساتھ پیرو مرشد کی فاتحہ دلاتے۔ سحری کی دعوت عام دیتے، قصیدہ بردہ شریفہ کا ختم درگاہ معلیٰ میں آپ ہی نے آغاز فرمایا، نسبت روحانی اپنے شیخ طریقت کے ساتھ نہایت قوی تھی، بڑی بڑی مشکلیں پیر کی توجہ باطنی سے حل ہوئیں۔ قید و بند کے مصائب سے آپ کا مطلقاً محفوظ رہنا آپ کی سیاسی زندگی میں یقیناً ایک کرامت ہے۔

آپ کا آخری سفر مکان سے اسی عارفانہ رنگ میں ہوا کہ رجب شریف کا مہینہ اعراس اولیا اللہ کا خاص مہینہ ہے اُس کے ساتھ ہی محافل رجبی شریف اس مبارک مہینہ کی برکات کا حاصل ہیں۔ ۷ رجب تک آپ اجمیر شریف عرس میں حاضر رہے وہاں سے دہلی آئے۔ دو روز قیام کے بعد مارہرہ شریف عرس نوری میں شریک ہوئے۔ وہاں سے بہرائچ میں ۱۸ رجب تک سالار غازی کے عرس میں شرکت کی پھر بیمار ہو گئے۔

وصال پُر ملال:- ۴۶ رسال کی عمر پوری کر کے جس تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے اُسی تاریخ فضائے دنیا کو ترک فرمایا۔ تہجد کے وقت شب دوشنبہ تیسری شعبان ۱۳۵۰ھ کو ۱۳-۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کی درمیانی رات تھی آپ نے لکھنؤ میں اپنے ایک مرید شیخ محمد نذیر صاحب کے مکان پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا عبدالکافی مرحوم کانپوری سے معلوم ہوا کہ سلیم پور ہاؤس سے مولانا لکھنؤ اسٹیشن تک اُن کو خدا حافظ کہنے کے لئے گئے، اُن کو روانہ کرنے کے بعد صدر بازار آئے، نماز عشاء پڑھی، اچھے خاصے تھے قرآن و وظائف و معمولات ادا کئے، اچھے خاصے تھے، اُس کے بعد دست شروع ہو گئے، طاقت جواب دے گئی تنہا واحد میاں سلمہ ہمراہ تھے، آتے ہی اُن کو سلا دیا تھا پھر جگایا، اُن کو تسکین و تشفی دی، روحانی فیوضات سے بہرہ اندوز کیا، وضو فرمایا، نفل پڑھے، اُسی حالت میں واحد میاں کے دوش پر سر رکھ کر یا غفور یا اللہ کے ذکر جہر کے ساتھ تیسری ضرب اللہ کے لگاتے ہی واصل بحق ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ جنازہ صبح ہوتے ہی لکھنؤ سے بذریعہ موٹر کار بدایوں آیا سہ شنبہ کو ۱۱ بجے دن کے قبل زوال آستانہ قادریہ میں مدفون کئے گئے۔

مدرسہ شمس العلوم بدایوں

☆ پروفیسر محمد ایوب قادری

بدایوں شمالی ہند کا مشہور تاریخی شہر اور علمی مرکز رہا ہے۔ قطبی و شمسی عہد سے یہاں ارباب علم و فضل اور اصحاب سلوک و تصوف سکونت پذیر ہوئے اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی ''شیخ نظام الدین اولیاء وہ سیاح معرفت ہیں جنھوں نے دہلی اور بدایوں کی سرحدوں کو ملا دیا''۔

بدایوں کی سرزمین سے ہر دور میں علماء و صلحا اور شعرا و حکما پیدا ہوتے رہے۔ دور آخر میں حضرت مولانا شیخ عبد المجید قادری خلیفہ حضرت شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی نے قادری خانقاہ قائم کی اور ان کے نامور فرزند اور سجادہ نشین حضرت مولانا شیخ فضل رسول قادری بدایونی نے مدرسہ قادریہ کو ترقی بخشی۔ مولانا فضل رسول بدایونی آخر زمانے کے علماء میں خاص شہرت و عزت کے مالک رہے ہیں۔ وہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے ہم عصر تھے اور ان دونوں بزرگوں میں نہایت گہرے تعلقات اور روابط اور فکری ہم آہنگی تھی۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے ردِّ وہابیت میں خاص طور سے شہرت حاصل کی ہے۔ مولانا کے بعد ان کے جانشین ان کے فرزند اصغر مولانا شیخ عبد القادر بدایونی ہوئے۔ انھوں نے ردِّ وہابیت کے ساتھ ساتھ تحریک ندوہ کا بھی رد کیا بلکہ ردّ ندوہ کے سلسلے میں ان کی شخصیت مرکزی تھی۔

مدرسہ کا اجراء - مولانا فضل رسول بدایونی کے بڑے صاحبزادے مولانا محی الدین اور محی الدین کے بیٹے حافظ مرید جیلانی کم عمری ہی میں فوت ہو گئے۔ حافظ مرید جیلانی کے بیٹے مولوی حکیم عبد القیوم تھے انھوں نے مدرسہ قادریہ کے علاوہ جامع مسجد شمسی (بدایوں) میں ۱۱ر صفر ۱۳۱۷ھ کو ایک مدرسہ شمس العلوم کے نام سے قائم کیا، جس کے مہتمم

بھی وہ خود ہی تھے۔ حکیم عبد القیوم کا چند ہی ماہ بعد رجب ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ میں ریل سے گر کر انتقال ہو گیا۔ جہاں وہ ایک جلسے کے سلسلے میں گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ان کے لائق فرزند مولانا حکیم عبد الماجد قادری بدایونی ہوئے۔

مولانا عبد الماجد قادری نامور عالم، ماہر طبیب، خوش فکر شاعر اور سنجیدہ مصنف تھے۔ ملک کی قومی و ملی تحریکات میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خدام کعبہ، خلافت کانفرنس، تحریک تبلیغ و تنظیم، جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے فعال کارکن اور ممتاز قائد تھے اور خطیب و مقرر کی حیثیت سے ملک میں ان کا بڑا شہرہ تھا۔

مدرسہ کی تعمیر و ترقی - مدرسہ شمس العلوم (بدایوں) کی بنیاد تو ان کے والد نے رکھی تھی مگر اس کی تعمیر و ترقی کا تمام تر سہرا مولانا عبد الماجد قادری کے سر ہے۔ انھوں نے مدرسہ کے لئے ملک گیر دورے کر کے چندے حاصل کیے۔ نظام دکن سے سوا سو روپیہ ماہوار کی امداد حاصل کی جو انضمام ریاست ستمبر ۱۹۴۸ء تک برابر ملتی رہی۔ بمبئ کی جماعت شیوخ قصاباں اور سیٹھ احمد حاجی صدیق کی گراں قدر رقوم نے مدرسہ کی تعمیر کو تکمیل تک پہنچایا۔ مدرسہ کا عالیشان دروازہ ''ظہور گیٹ'' مولوی ظہور حسین رئیس بدایوں کی عالی ہمتی کا مظہر ہے۔ شہر کے ہر طبقے اور حیثیت کے مسلمانوں نے مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ غربا، متوسط الحال اور امراء سب نے مالی امداد کی۔ تاجران غلہ نے گولک کے ذریعہ رقوم فراہم کیں۔ عورتوں نے چندہ میں زیورات دیئے۔ بدایوں کے ملحقہ دیہات و قصبات کے مسلمانوں نے بھی مدرسہ کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیا۔ آج مدرسہ شمس العلوم کی پائدار اور عظیم الشان عمارت شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی ہے۔ مدرسہ کے لئے قطعہ آراضی اور سابقہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس کی عمارت گورنر یوپی میسٹن اور کلکٹر بدایوں انگرام کے ذریعہ حاصل ہوئیں۔ مولانا نے کچھ مدد ریاست رامپور سے بھی حاصل کی تھی۔

مدرسے کے نیچے کے حصہ میں دوکانیں ہیں اور اوپر کتب خانہ اور مدرسہ ہے۔ کتب

خانے میں کئی ہزار کتابیں ہیں جو نہایت سلیقے سے الماریوں میں رکھی گئی ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت سے ملحق چھوٹی سی مسجد ہے۔ مدرسے سے ملحق وسیع میدان ہے۔ اب اس میدان میں بھی دکانیں تعمیر ہوگئی ہیں۔ جس سے مدرسہ کی آمدنی میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے بلکہ یہ جدید تعمیر شدہ دوکانیں مدرسے کی بقاء کا ذریعہ ثابت ہوئیں کیونکہ حیدرآباد اور رام پور کی مستقل آمدنیاں ۴۸-۱۹۴۷ء کے بعد بند ہوگئیں۔

جلد ہی مدرسہ شمس العلوم نے ملک کی دینی درس گاہوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آنے لگے۔ لائق اور محنتی علماء بحیثیت مدرسین اور اساتذہ مدرسہ سے وابستہ ہو گئے۔ دستار بندی کے موقع پر نہایت شاندار جلسے منعقد ہوئے۔ ان جلسوں میں تمام ہندوستان کے ممتاز اور مشہور علماء کرام شریک ہوتے۔ بعض روداروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سلیمان اشرف (علی گڑھ)، مولانا نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (بھیکم پور)، مولانا ہادی علی خاں (سیتاپور)، مولانا محمد فاخر (الہ آباد)، مولانا اسرار الحق طوطی ہند، مولانا سراج احمد (سہسوان) وغیرہ ان جلسوں میں شریک ہوئے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرأت اور حفظ قرآن کا بھی مدرسہ میں اعلیٰ انتظام تھا۔ درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ پنجاب یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی فاضل، مولوی عالم اور منشی فاضل (فارسی) کے امتحانات دیتے تھے۔ چنانچہ اس مدرسے سے بہت سے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور مختلف حیثیتوں سے انھوں نے ملک وملت کی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ کے امتحانات کے موقع پر شہر کے نامور علماء ممتحن کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان میں مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی، مولانا سید یونس علی بدایونی، مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی، مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی، مولانا محبّ احمد بدایونی، مولوی سید عنایت احمد نقوی بدایونی، مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی اور حکیم فضل الرحمٰن بدایونی (حکیم پالکی)

کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

تلامذہ - مدرسہ شمس العلوم سے یوں تو بہت سے حضرات فارغ التحصیل ہوئے لیکن اس وقت مفتی عزیز احمد قادری (لاہور)، مولانا عبدالصمد مقتدری، مولانا عبدالواحد عثمانی القادری بدایونی، مولوی سید حسن حیرت المعروف بہ علامہ حیرت بدایونی، مولانا احمد یار خاں (اوجھیانی) اور مولوی خواجہ غلام نظام الدین بدایونی کے نام زبان پر آ گئے۔

رسالہ شمس العلوم - مدرسہ سے متعلق تبلیغ اور دارالافتاء کے شعبے بھی تھے۔ مدرسہ شمس العلوم بدایوں سے ایک ماہانہ رسالہ "شمس العلوم" کے نام سے محرم ۱۳۳۲ھ سے جاری ہوا جو تقریباً آٹھ دس سال تک نکلتا رہا۔ یہ رسالہ قادری پریس بدایوں میں چھپتا تھا۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اس پر مولانا عبدالماجد بدایونی کا نام شائع ہوتا تھا۔ نائب مدیر کی حیثیت سے مختلف اوقات میں محفوظ الحق علمی سہسوانی (موجودہ بھائی مقیم لاہور) ظہور الحق مقتدری بدایونی اور مولانا حبیب الرحمٰن بدایونی نے کام کیا ہے۔ رسالہ شمس العلوم میں علمی، مذہبی، فقہی، اخلاقی، تاریخی اور تصوف کے وقیع مضامین شائع ہوتے تھے۔ منظومات کا حصہ بھی خاصا ہوتا تھا۔ زیادہ تر بدایونی شعرا کا نعتیہ اور منقبتی کلام شائع ہوتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی کی تفسیر و ترجمۂ قرآن رسالہ کا مستقل عنوان تھا۔ مولانا عبدالمقتدر تفسیر ابن عباس کا اُردو ترجمہ شائع فرماتے تھے۔ ایک مستقل موضوع مذاکرہ علمیہ بھی ہوتا جس میں کبھی علمی اور کبھی فقہی سوالات و جوابات شائع ہوتے تھے۔ رسالہ میں مستقل طور پر بھی فتاویٰ مع جوابات شائع ہوتے تھے۔ کبھی کبھی سیاسی موضوع پر رسالہ شمس العلوم میں اظہار خیال کیا جاتا تھا۔

دارالتصنیف - مدرسہ شمس العلوم سے متعلق ایک مستقل دارالتصنیف و دارالاشاعت بھی تھا جس سے مولانا عبدالماجد مرحوم کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئی:-

دربار علم، القول السدید (مولانا ابوالقاسم بنارسی کا جواب)، **خلاصة المنطق، خلاصة العقائد، خلاصة الفلسفه، جواز عرس۔** مولانا عبدالماجد

بدایونی کی تصانیف کے علاوہ اس دارالاشاعت سے دوسرے علماء کی تصانیف بھی شائع ہوئیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:- **مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة** (مولانا عبدالقادر بدایونی)، **ھدیه قادریه** (مولانا فیض احمد بدایونی)، **زبدة الآثار و زبدة الاسرار** (شیخ عبدالحق دہلوی)، **سیف الجبار** (مولانا فضل رسول بدایونی)، **البوارق المحمدیة** (مولانا فضل رسول بدایونی)، ابطال اغلاط قاسمیہ، خلاصہ فتویٰ بیت المقدس دربارۂ اذان خطبہ، گلدستۂ نعت، بے موقع فریاد کا مہذب جواب، توضیح حق (مولانا محبّ احمد بدایونی)، اکمل التاریخ (ضیاء القادری بدایونی)، مولود شریف منظوم (مولانا فضل رسول بدایونی)، **التناسخ** (مولانا محبّ احمد بدایونی)، **الحدوث و القدم** (مولانا محبّ احمد بدایونی)، اسلامی توحید کا آئینہ (مولوی حسین احمد قادری بدایونی)، ردِّ آریہ، بریلوی تحریر کا شافی جواب (مولوی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی)، **مباحث الاذان** (مولوی عبدالواحد مقتدری بدایونی مرحوم)، **تحقیق البیان فی مسئلة الاذان** (مولوی عبدالواحد مقتدری مرحوم)، مذاکرۂ علمیہ، **تحقیق العلماء الکرام فی استحباب القیام، تنزیل، نجات المومنین، اسلام، تحفة الاخیار**، اخلاق و آداب، قربانی اور گوشت خوری، آرین ایشور، **التنبیه الزاجر**، تحفۂ عید، داستان عشق اور محرم، دیوان مناقب فارسی (مولانا عبدالقادر بدایونی)، کتاب طہارت اور آسمانی کڑک۔

تقسیم ملک کے بعد مدرسہ شمس العلوم کی اہمیت اور ضرورت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے اور اس وقت یہ مدرسہ ملت اسلامیہ کی مفید مذہبی و معاشرتی خدمات انجام دے رہا ہے بلکہ بدایوں میں یہ واحد مدرسہ ہے جو دینی و علمی مرکز کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔

☆☆☆

خطیب الامۃ مولانا عبد الماجد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

از : مولوی سید سلیمان ندوی

بدقسمت قوم کے سال کا خاتمہ بھی ماتم پر ہوتا ہے، خطیب الامۃ مولانا عبد الماجد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کا ناگہانی حادثۂ ارتحال ہمارے لئے ذاتی اور قومی دونوں حیثیتوں سے وہ غم ہے جو بھلائے نہیں بھولا جاتا۔ ۱۴؍ دسمبر ۱۹۳۱ء کی نصف شب جب یہ واقعہ لکھنؤ صدر میں پیش آیا تو میں وہاں اس صبح کو موجود تھا۔ ۸؍ بجے صبح خبر ہوئی جب ۹؍ بجے کے بعد وہاں پہنچا تو مرحوم کی زندہ روح خدا کے پاس اور مردہ لاش بدایوں منتقل ہو چکی تھی۔

مولانا عبد الماجد بدایونی کون تھے؟ لکھنے والے اُن کے محامد و اوصاف صفحوں میں لکھیں گے اور بیان کرنے والے گھنٹوں بیان کریں گے لیکن اس سارے دفتر کو صرف ایک لفظ میں اگر ادا کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ''وہ ہستی سرتاپا محبت تھی'' خدا سے محبت، رسول سے محبت، آل رسول سے محبت، بزرگان دین سے محبت، اکابر سے محبت، دوستوں سے محبت، کارکنوں سے محبت، عزیزوں سے محبت۔

حضرات علماء کے طبقہ میں اُن کی ذات ہر حیثیت سے قابل فخر تھی۔ ان تمام لوگوں پر جنھوں نے طرابلس کے زمانہ سے اسلامی جد و جہد میں شرکت کی، ان بیس برسوں میں مختلف دور گذرے، یعنی کچھ آرام وسکون، پھر کچھ سعی و محنت، کچھ عزلت گزینی اور پھر ہنگامہ آرائی، کچھ توقف پھر تیز رفتاری، اس طرح اُن کی زندگی کے ایام وقتاً فوقتاً گذرتے رہے مگر جماعت علماء میں یہی ایک ہستی تھی جس کی زندگی کے ایک لمحہ کو بھی اس وقت سے چین نصیب نہ ہوا۔ ہر وقت ہر نفس اُن کو کام کی ایک دھن لگی ہوئی تھی جس کے پیچھے اُن کا آرام، چین، خانگی سکون، اہل وعیال اور جان و مال، ہر چیز قربان تھی۔ یہ بھی سماں گذرا ہے کہ اُن کے گھر میں کفن و دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لئے کانپور و لکھنؤ کے تگ و دو میں مصروف ہیں، خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، تنظیم، مسلم کانفرنس، یہ تمام وہ مجالس ہیں جو اُن کے خدمات سے گراں بار ہیں۔ ان مشغولیتوں

میں اپنے مدرسہ شمس العلوم کو جس کی خود انھوں نے بنیاد ڈالی تھی ناتمام چھوڑا، اس کے لئے کتب خانہ کی عمارت بنوائی، کتابیں جمع کیں وہ بھی نامکمل رہا۔ یہاں تک کہ اُن کی زندگی کی منزلیں پوری ہوگئیں۔

مرحوم کی قوت خطابت غیر معمولی تھی، ان کی تقریر جذبات اسلامی کی ترجمان ہوتی تھی ان کی شاعری وسخنوری گو مخفی تھی، مگر شاندار تھی، ان کی عالمانہ شان اور معقول ومنقول سے پرانی دلآویزی اس عالم میں بھی نمایاں تھی، ان کا دراز قد، بڑی داڑھی، سیاہ عمامہ، بڑا کرتہ، اس پر جبہ، گلے میں بڑا کالا رومال یا چادر، مست چال جھوم جھوم کر متانت سے چلنا، اب تک نگاہوں کے سامنے ان کی تصویر بنا کر کھڑی کر دیتا ہے۔ مرحوم نے عراق کا سفر اپنے بزرگوں کے ساتھ کیا تھا اور حجاز ومصر کا سفر میرے ساتھ ۱۹۲۵ء میں کیا۔ بے گوش تو وہ تھے ہی مگر ان جیسا بے زبان رفیق سفر ملنا بھی ممکن نہیں۔ وہ بہت کچھ تھے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے ہر دوست، ہر ہم عصر، ہر رفیق کے محبوب وحبیب تھے۔ ان کا ہر ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی۔ ہر آئینۂ دل میں وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔

سال کا آغاز تھا کہ میں نے اپنے رفیق یورپ (محمد علی مرحوم) کا ماتم کیا تھا۔ آج سال کا اختتام ہے کہ اپنے رفیق حجاز ومصر کا ماتم کرتا ہوں، رفیقو! رخصت، اب تم وہاں ہو جہاں تمہارے رفیق ملائکۃ اللہ اور عباد الرحمٰن ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ رفیق اعلیٰ ہے جس کی رفاقت سب رفاقتوں سے بڑھ کر ہے۔

رحمة اللّٰه عليك خير اخلاف الكرام

نم قرير العين فی قبرك الى يوم القيام

كنت فی الدنيا سلاماً صرف فی دار السلام

اسكت الموت خطيب القوم حسان العلام

يا بدايون دمت نورا مغرب البدر التمام

☆☆☆

حضرت مولانا عبدالماجد مرحوم کی خطابت

سید حسن ریاض ایڈیٹر ہمت (بلند شہر)

دسمبر کی آٹھ تاریخ کو میں مولانا **عبدالماجد** مرحوم سے کانپور کے اسٹیشن پر رخصت ہوا مگر میں نے یہ کسی طرح محسوس نہ کیا کہ یہ میری اور مرحوم کی آخری ملاقات ہے۔ دس بارہ روز کی شدید علالت کے بعد مولانا اس وقت بہت اچھے تھے۔ میرے اور اُن کے درمیان یہ طے ہوا کہ بلند شہر پہنچ کر پہلے میں اُن کو یہ لکھوں کہ میں بخیریت پہنچ گیا اور دوسرا خط اس وقت لکھوں جب یہ معلوم ہو جائے کہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب کن کن تاریخوں میں میرٹھ رہیں گے۔ میرا دوسرا خط پہنچنے پر حضرت مولانا مرحوم بلند شہر پہنچتے اور بلند شہر ایک روز قیام کر کے ہم دونوں میرٹھ جاتے، مجھے نہیں معلوم اس مرتبہ مولانا کو بلند شہر جا کر میرے ہاں فروکش ہونے کا اس قدر شوق کیوں تھا؟

بظاہر اس لئے کہ شوق کبھی پورا ہونے والا نہ تھا۔ افسوس میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی کہ اپنے مخلص دوست اپنے شفیق بزرگ اور اپنی پبلک زندگی کے رہنما، مربی اور پشت پناہ کی میزبانی کا فخر حاصل کروں۔

میں نے حسب وعدہ دونوں خط لکھے اور ۱۶ر تاریخ کی صبح کو عین اس وقت جب میں مولانا مرحوم کی آمد کا منتظر تھا یہ سنا کہ ۱۳-۱۴ر دسمبر کی درمیانی شب میں اُن کا یکایک انتقال ہو گیا۔ اس ناگہانی موت کا بہانہ یہ بتایا جاتا ہے کہ قلب میں درد ہوا تھا۔ بلند شہر کے لوگ مولانا **عبدالماجد** مرحوم کی تقریر سننے کے بے حد مشتاق تھے۔ سیرت نبوی کے جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا مگر افسوس ان کے مقدر میں یہ لکھا تھا کہ بجائے تقریر کے خبر وفات سنیں۔

مجھ پر اس حادثہ کا کیا اثر ہوا اور کیا اثر ہے یہ بیان کرنے کی بات نہیں۔ کیفیات دل زبان و قلم سے بیان نہیں ہو سکتیں۔

اہل بلند شہر کو مولانا کی تقریر سننے کا بڑا شوق تھا اور اس محرومی پر سخت مایوسی ہوئی۔ مگر تعجب کیا ہے خود مجھے بھی شوق تھا اور اس کے باوجود کہ میں نے مولانا کی تقریر اتنی مرتبہ سنی ہے کہ مجھے صحیح شمار یاد نہیں۔ مولانا تقریر کرتے تھے، نہیں جادو کرتے تھے، ابتداءً آہستہ آہستہ رُک رُک کر چند شکستہ جملے اس زبان سے ادا ہوتے گویا کسی نے سوتے سے اُٹھا دیا ہے، ابھی خیالات مجتمع بھی نہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ کہنا کیا ہے، نئے آدمیوں کو ذرا مایوسی ہوتی تھی۔ اکثر لوگ بے صبری سے یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ''ذرا زور سے'' مگر جو جانتے تھے اس ابتدائی سکون کو ایک طوفان کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ میں نے بڑے جلسوں میں مولانا مرحوم کی تقریریں سنی مگر کبھی کسی کو یہ شکایت کرتے نہیں سنا کہ ہمیں آواز نہیں آئی۔ آہ میری آنکھوں نے وہ منظر کتنی مرتبہ دیکھا ہے۔ ابتدائی شکستہ اور بے ربط جملے ختم ہوئے، کسی نے سنے کسی نے نہ سنے۔ اب مولانا کو ہوش آ گیا، ذرا وقار کے ساتھ کھڑے ہو کر لوگوں کو عنوان تقریر سے آگاہ کیا مگر ابھی الفاظ پر ارادہ کا قابو ہے، متعلقہ واقعات بیان ہو رہے ہیں، استدلال کیا جا رہا ہے، آواز بلند ہو چکی ہے، سب خاموش ہیں اور ہمہ تن گوش کہ یکا یک اس بحر خطابت میں جوش آیا، شانوں سے عبا ڈھلکنے لگی، اب ایک جگہ قرار نہیں، سارا اسٹیج پامال ہے، عمامہ کے پیچ کھل کھل کر شانوں پر آ پڑے ہیں۔ وہ دعویٰ پیش ہو رہا ہے جس کو حق سمجھ کر آج ممبر پر آئے ہیں۔ پندرہ پندرہ اور بیس بیس منٹ مسلسل ایک روانی، جوش اور قوت کے ساتھ اس سر چشمۂ بلاغت سے اس طرح ادب اُبلتا تھا کہ مجھے اس مرصع، مزین اور پر تکلف آمد پر ہمیشہ حیرت ہوئی۔ میں نے مولانا کی تقریر میں یہ قوت دیکھی کہ جب تک وہ بولتے تھے ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ مولانا ہمارے خیالات اور ہمارے ہی جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ شاید غالبؔ نے یہ مولانا کے لئے ہی کہا تھا ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اہل یونان کو ڈائی مستھیز کی خطابت، زور بیان، ادبی رفعت اور قوتِ جذبات پر ناز ہے۔ کاش مولانا کی تقریریں لکھی جا سکتیں، مگر ہندوستان کے بڑے بڑے مشاق رپورٹروں نے عجز کا اعتراف کیا۔ شارٹ ہینڈ رائٹنگ کا فن مولانا کی تقریر کے مقابلہ میں بیکار ثابت ہوا اور اس ہندوستانی ڈائی مستھیز کے خطبات عالیہ فضا میں منتشر ہو کر رہ گئے۔ کاش اب بھی کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جاتا جو منتشر اصوات کو کرۂ ہوا سے مجتمع کر کے ہمیں سنا دیتا۔ اب ہم کس چیز پر ناز کریں؟ بس ایک قصہ ماضی پر؟ یونانیوں کے ہاتھوں میں ڈائی مستھیز کی تقریروں کی جلدیں ہیں اور ہمارے پاس ایک ورق بھی نہیں۔ میں نے مولانا کی اکثر تقریریں اپنے اخبار میں شائع کیں مگر وہ محض مولانا کی تقریروں کا مفہوم ہے۔ میں کبھی چار سطریں بھی لفظ بہ لفظ نہ لکھ سکا۔

اس جوش وخروش کے بعد پھر مولانا کی تقریر میں سکون پیدا ہوتا اور عموماً ذرا آگے جھک کر یا کسی چیز پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ اطمینان سے جلسہ کو معاملات سمجھاتے، مضبوط دلائل پیش کرتے اور اپنے استدلال کی قوت پر اعتماد کر کے پھر لوگوں سے سوال کرتے، میں نے دیکھا ہے کہ اُن کے وہ سوالات جو اس لئے ہرگز نہ ہوتے تھے کہ کوئی جواب دے دلائل سے زیادہ لوگوں کو مطمئن کر دیتے تھے۔ مگر یہ مولانا کی خصوصیت تھی کہ وہ لوگوں کو اپنی شخصیت سے مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہ کرتے تھے ورنہ مولانا کی شخصیت اس قابل تھی کہ لوگ اس سے مرعوب ہوتے، پکار پکار کر کہتے تھے کہ اگر میں غلط کہوں تو مجھے ٹوک دو۔

سیاسیات حاضرہ کے متعلق مولانا کی معلومات نہایت معقول تھی اور آپ کثرت سے تبادلۂ خیالات کے عادی تھے، اس لئے مولانا جس مسئلہ پر تقریر کرتے تھے اس کا حق ادا کر دیتے تھے۔

مولانا **عبد الماجد** رحمتہ اللہ علیہ نے عربی علوم کی تعلیم پائی تھی اور وہ قدیم طریقہ پر جنگ طرابلس شروع ہونے سے قبل مولانا صرف قدیم علماء کی طرح وعظ فرمایا کرتے تھے

اور شاید مناظروں میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن سیاسیات میں قدم رکھنے کے بعد مولانا کا رنگ تقریر بالکل بدل گیا تھا۔ وہ دور حاضر کے خطیب ہو گئے تھے۔ لیکن پھر بھی بیان فضائل، بیان ولادت اور ذکر شہادت مولانا مرحوم کا حصہ تھا جو لفظ زبان سے نکلتا تھا تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ ہر شخص پر اس کے حال کے موافق کیفیات طاری ہوتی تھیں۔

سیاسیات میں مولانا بلا تکلف تمام مسائل پر بحث کرتے تھے مگر بڑی بڑی کانفرنسوں میں تحریک صدارت کے لئے ہمیشہ مولانا کو منتخب کیا جاتا تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ ہندوستان کے ہر ممتاز شخص کی خصوصیات سے اچھی طرح واقف تھے اور دوسرے اس لئے کہ وہ اس خشک اور بے مزہ تحریک پر ایسی رنگین تقریر کر سکتے تھے کہ وہ لوگ ہمیشہ چاہتے تھے کہ یہ تقریر دیر تک جاری رہے۔ مولانا کی تقریر کے بعد مجھے ہمیشہ صدر جلسہ کے حال پر رحم آیا، خطبۂ صدارت پھر کوئی توجہ سے نہ سنتا تھا۔

الہ آباد کے یہ آخری یو۔ پی مسلم کانفرنس اور جمعیۃ العلماء صوبۂ متحدہ اجلاس مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ جمعیۃ العلماء کے صدر مولانا حسرت موہانی تھے اور مسلم کانفرنس کے صدر مولانا شوکت علی۔ دونوں کی صدارت کے لئے مولانا **عبد الماجد** مرحوم نے تحریک فرمائی اور دونوں کی تقریروں میں صرف صبح اور شام کا فصل تھا۔ اللہ اکبر! کیا قدرت کلام تھی جتنا مولانا حسرت اور مولانا شوکت علی میں واقعی فرق ہے اور جس طرح ان دونوں کی خصوصیات الگ ہیں اتنا ہی ان دونوں تقریروں میں فرق تھا اور اسی طرح یہ دونوں تقریریں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے الگ تھیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مولانا نے جتنی صفات مولانا حسرت کے لئے استعمال کیں ان میں سے کوئی مولانا شوکت علی کے لئے نہیں دہرائی اور پھر کوئی یہ شکوہ بھی نہیں کر سکتا کہ مولانا شوکت علی کے لئے اُنھوں نے کوئی کمی کی۔ بعض اعراس اور ان محافل میلاد کے اختتام پر جو وہ خود پڑھتے تھے، آپ دعا فرمایا کرتے تھے، دعائیں سب کرتے ہیں مگر مولانا کی دعا عجیب شان کی ہوتی تھی۔ چند جملے دعائیہ کہتے اور

پھر سب حاضرین سے مخاطب ہو کر اور کبھی اللہ کو پکار کر تقریر کرتے اور عجز و نیاز کا اظہار کرتے اور اجابت دعا کے لئے ایسے ایسے واسطے دیتے کہ حاضرین کے دل میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا۔ اور حقیقت اجابت و قبولیت کا ماحول پیدا ہو جاتا تھا۔ جس کو دیکھئے رومال سے آنسو پونچھ رہا ہے اور بے قرار ہے اور پھر خود ہی اپنی بھی حالت۔ آہ! اب ہندوستان کے پلیٹ فارم پر ایسا خطیب کہاں سے آئے گا، مجھے اس کا احساس ہے کہ مولانا کی خطابت کے تمام محاسن بیان نہیں کر سکتا مگر مجبوری یہ ہے کہ مولانا کی وصیت اور اپنا وعدہ مجھے یاد کرنا ہے۔ ابھی غالباً گذشتہ ربیع الاول میں ایک صاحب کے ہاں لکھنؤ میں مولانا نے بیان میلاد فرمایا، محفل ختم ہونے کے بعد میں نے تعریف کی اس پر مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ "جب میں مروں تو میری تقریر پر مضمون تو لکھنا"۔ میں نے اسی لہجہ میں جواب دیا "ابھی مرنے کا کیا وقت ہے؟" مولانا مرحوم دواماً کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہتے تھے۔ اس وقت بھی شانہ اور ہاتھ میں درد تھا۔ میرے اس جواب پر مولانا نے ذرا متانت اور اصرار سے فرمایا نہیں! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر پھر ہنسنے لگے اور کہا اگر تم پہلے مر جاؤ گے تو تمہاری صحافت پر میں لکھوں گا۔ میں نے اس وقت مولانا کی ان باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی مگر اس مذاق ہی میں مولانا نے مجھ سے وعدہ لے لیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ پانچ ہی مہینے بعد یہ وعدہ پورا کرنا پڑے گا۔ غنیمت ہے کہ مولانا **عبدالماجد** مرحوم کی دانش مندی اور انجام بینی کی بدولت ہمیں ایک تسکین حاصل ہے۔ آپ نے اپنے اکثر شاگردوں اور خاندان کے نوجوانوں کو اپنے فن کی تعلیم دی۔ اپنی اپنی طبعی صلاحیتوں کے مطابق سب نے ترقی کی۔ مولوی عبدالحامد صاحب مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی بہت دلآویز تقریر کرتے ہیں۔ گذشتہ دس سال سے مولانا کے ساتھ تمام تحریکات میں کام کرتے رہے ہیں۔

مگر مولوی عبدالواحد مولانا **عبدالماجد** کے چھوٹے صاحبزادے گو ابھی نوجوان ہیں مشکل سے ۲۲ رسال کا سن ہوگا۔ بفضلہٖ باپ کا چربہ ہیں۔ میں نے پہلی مرتبہ ان کی

تقریر بہرائچ میں سنی۔ وہی لب ولہجہ، وہی حرکات وسکنات، وہی زور بیان۔ میں نے اس غیر معمولی مشابہت کی طرف حضرت مولانا حسرت موہانی کو بھی متوجہ کیا۔ مولانا حسرت نے ہنس کر فرمایا ''ہاں وہ تو آستین بھی اسی طرح پلٹتے ہیں''۔ مولانا **عبدالماجد** مرحوم کو اپنی زندگی کے آخری مہینوں میں صرف ایک دھن تھی کہ اسلامی سیاست کی اصلاح کے لئے ایک نئی پارٹی قائم کی جائے جو ہر قسم کے برے اثرات سے پاک ہو اور صرف اُن چند رفقائے کار پر مشتمل ہو جن کی دیانت کا اچھی طرح علم ہے اور ہر طرح آزمائے ہوئے ہیں۔ مولانا کی اس آخری تمنا کو ان کے وہ مخلص احباب جو اس منصوبہ میں شریک تھے پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور واقعی اس وقت مسلمانوں میں ایک ایسی آزاد پارٹی کی اشد ضرورت ہے جو معاملات کو نہ انگریز کی نظر سے دیکھے اور نہ ہندو کی بلکہ محض ہندوستانی اور مسلمان کی نظر سے دیکھے۔ ممکن ہے حضرت شاہ **عبدالماجد** قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم پر یہ خیال کوئی واقعی صورت اختیار کر لے اور یہی مرحوم کی پبلک یادگار قرار پائے۔

☆☆☆

انتخاب مثنوی

مشق تقریر

۵۰ ھجری ۱۳

محمد عبد ماجد ذی وجاہت
شہیدِ ملت و شیدائے ملت

نوید وصل حق پاکر قضا سے
تعلق چھوڑ کر سب ماسوا سے

یکایک ہو گئے جنت کو راہی
ہوئے واصل بانوارِ الٰہی

غضب ہے روح فرسا آپ کا غم
کلیجہ تھام کر بس رہ گئے ہم

ہے جب تک حسرت برباد باقی
رہے گی دل میں اُن کی یاد باقی

نشانِ شوکتِ اسلاف تھے وہ
عجب مجموعۂ اوصاف تھے وہ

جدا تھا سب سے جودوحلم اُن کا
مسلم تھا وقارِ علم اُن کا

مجاہد صاحب اخلاق تھے وہ
مدبر شہرۂ آفاق تھے وہ

وہ یکتا واعظ ہندوستاں تھے
خطابت میں وہ مشہور جہاں تھے

عطا کی تھی خدا نے خوش بیانی
تصدق اُن پہ تھی شیریں زبانی

بیاں ہر ایک ہوتا تھا موثر
تھے وہ بے مثل و لاثانی مقرر

بیاں اللہ اکبر تھا وہ پرجوش
کہ خود محفل میں ہو جاتے تھے مدہوش

تغافل سوز تھا ہر وعظ اُن کا
سبق آموز تھا ہر وعظ اُن کا

بنایا تھا خدا نے صاحبِ ذوق
اُنھیں تھا کم سنی سے وعظ کا شوق

مجھے ہیں یاد وہ ایام وہ دن
کہ چودہ سال کا تھا آپ کا سن

شہید باصفا کی تعزیت کا
ہوا تھا جامع شمسی میں جلسہ

حضورِ عبد قادر قطب دوراں جناب حضرت احمد رضا خاں
شئہ عبدالصمد چشتی نظامی غرض اکثر مشاہیر گرامی
شرف افروز بزم تعزیت تھے ثنا خواں محو نعت و منقبت تھے
مواعظ تعزیت کے ہو رہے تھے عزادارانِ محفل رو رہے تھے
وحید عصر مولانا ہدایت رسول اللہ کے شیدائے ملت
جدا منبر سے محفل میں ہوئے جب بیاں کو ختم اپنے کر چکے جب
بصد جوش فغاں ماجد میاں سے کہا فضل مجید باصفا نے
کہ اے در یتیم و ابنِ مرحوم گل باغ شہید عبد قیوم
اُٹھو کھولو زباں منبر پہ آؤ کرو تقریر کچھ پڑھ کر سناؤ
کھڑے ہو کر بلا تاخیر و تنکیر بھری محفل میں کی برجستہ تقریر
بیاں سے خوش ہوئے سرکار اقدس دعائیں دیں کہا نورِ نظر بس
یہ پہلا وعظ تھا ماجد میاں کا یہی عنواں تھا آغاز بیاں کا
سمیِ غوث اعظم کی دعا سے ہوئے مشہور وہ لطفِ خدا سے
ہوئی تعلیم میں جتنی ترقی بیاں میں بھی ہوئی خاصی ترقی
علوم دینیہ سب ختم کر کے پئے تعلیمِ طب دہلی میں پہنچے
وہاں جوہر کھلے علم و عمل کے مناظر بن گئے زینت محل کے
ہوئی تقریر کی وہ عام شہرت کہ آئی وعظ کی دعوت پہ دعوت
بلاد ہند کی دینی محافل بیاں پر آپ کے تھیں دل سے مائل
ابھی تک شہرتِ زورِ بیاں تھی تجلی رنگِ عرفاں کی نہاں تھی
ہوئی یوں ابتدائے دورِ مانی ملی اس طرح تسخیر لسانی
بریلی دیوبندی کشمکش کا مرادآباد میں کچھ تصفیہ تھا

نعیم الدین نے کوشش یہ کی تھی		خبر ہر سمت پہنچائی گئی تھی
بہم احمد رضا اشرف علی کی		نزاعی مسئلوں میں بحث ہوگی
مسلسل حضرتِ احمد رضا نے		بدایوں خط لکھے بھیجے تقاضے
غرض یہ تھی حضورِ مقتدر بھی		کریں امداد جنگ مذہبی کی
مگر حضرت کے محسوسات دینی		فقط تھے مائل خلوت نشینی
رضا جویانِ سرکار کرم نے		مکرر اور جب پیغام بھیجے
بلا کر آپ نے ماجد میاں کو		دیا یہ حکم تم تیار ہو لو
محبّ احمد ذی جاہ جائیں		جمیل احمد، ضیا ہمراہ جائیں
سفر کا وقت جب نزدیک آیا		ضیا سے عبد ماجد کو بلایا
عجب تھا وقت وہ تنہا تھے سرکار		نگاہوں سے عیاں ہوتے تھے انوار
کیا ماجد میاں سے ہنس کے ارشاد		ہو تم پر سایۂ سلطانِ بغداد
مرادآباد میں کرنا وہ تقریر		مسلمانوں کے دل ہو جائیں تسخیر
مکاں میں لے گئے تشریف، آئے		دبا کر ہاتھ میں تعویذ لائے
عجب حالت میں تھے سرکار والا		گلے میں ہاتھ سے تعویذ ڈالا
رکھا سینہ پہ دستِ رحمت آثار		توجہ قلب پر ڈالی کئی بار
ضیا سے پھر طلب فرمایا پانی		پیا لوٹے سے خود تھوڑا سا پانی
اُٹھا کر پھر اُسی ظرفِ گلی کو		کہا ماجد میاں سے تم یہ پی لو
خدا شاہد اُسی دن سے یہ دیکھا		بیاں میں ہو گئی تسخیر پیدا
مرادآباد پہنچے شب کو جب ہم		کیا اہل کرم نے خیر مقدم
ملا ہم کو بہ امرِ اتفاقی		جوار حضرت شاہ بلاقی
سحر تک آ چکے جو مولوی تھے		اُنھیں میں فاخر مرحوم بھی تھے

ہوا بعد سحر آغاز محفل — نظر آیا عجب اندازِ محفل

بہت سے عالموں نے دس بجے تک — دکھائے جوہر علمی بلا شک

ہر اک واعظ نے کی ہر چند تقریر — نہ تھا کوئی بیاں مرہونِ تاثیر

کھلا میداں تھا جلسہ منتشر تھا — بیاں سننے کا لیکن منتظر تھا

اسی عرصہ میں باصد ہوشمندی — جمیلؔ احمد نے بھی داد سخن دی

ہوا دور مواعظ ختم آخر — بیاں جب کر چکے مولانا فاخر

اُٹھے کچھ اہل محفل درمیاں سے — کہا ہر ایک نے ماجد میاں سے

تمنائی ہیں اہلِ بزم سارے — ہر اک جانب سے ہوتے ہیں اشارے

کریں تقریر اب سرکار والا — نہ فرمائیں کوئی حیلہ حوالہ

ہجوم عام سے اُٹھیں صدائیں — سرِ منبر حضور اب جلد آئیں

تقاضوں پر تقاضے جب یہ دیکھے — خدا کا نام لے کر آپ اُٹھے

دو زانو بیٹھ کر بالائے منبر — دعا مانگی جھکا کر دیر تک سر

مراقب اولاً کچھ دیر رہ کر — ادا سے ہاتھ پھیرے دوش و رخ پر

کھڑے ہو کر پڑھا آہستہ خطبہ — ہوئے محفل میں حیراں اہل رتبہ

کسی نے مضطرب ہو کر صدا دی — کسی نے کی سر محفل منادی

کسی نے کر دیا فوراً ہی اظہار — بیاں آواز سے فرمائیں سرکار

قیامت خیز تھی آہستہ گوئی — نہ ساکت رہ سکا محفل میں کوئی

کم آہنگی کا تھا گویا یہ حاصل — کہ ہو جائے مخاطب ساری محفل

ابھی دو چار جملے ہی کہے تھے — اشارے ہی ابھی کچھ ہو رہے تھے

ہوا موج آفریں بحر فصاحت — روانی پر ہوئی مائل طبیعت

لئے بوسے خطابت نے زباں کے — کھلے دفتر معانی و بیاں کے

حقائق وجد میں آ آ کے جھومے — بلاغت نے لبِ اعجاز چومے

قبائے ناز کے لہرائے آنچل — عمامے کے اُدھر کھلنے لگے بل

پسینہ تا بہ رُخ آیا جبیں سے — بڑھی ہاتھوں کی اُلجھن آستیں سے

بنی طبع رواں علمی سمندر — بیاں ہونے لگے دفتر کے دفتر

کلام اللہ کی ہر ایک آیت — حدیث مصطفےٰ کی ہر روایت

بطور استناد و حلّ مقصود — نظر کے سامنے گویا تھیں موجود

عجب سج دھن تھی انداز بیاں کی — زبانیں گنگ تھیں اہل زباں کی

ہزاروں آدمی حضار محفل — اثر سے وعظ کے تھے نیم بسمل

کسی جانب تھا جوش بے قراری — کسی جانب تھا شور آہ و زاری

کہیں تھا بیخودی میں لب پہ یا ہو — کسی کی آنکھ سے جاری تھے آنسو

کہیں تھا یا رسول اللہ لب پر — کہیں تھا نعرۂ اللہ اکبر

بیاں حیرت سے کوئی سن رہا تھا — کوئی مدہوش تھا سر دھن رہا تھا

نئے انداز سے سن کر فضائل — تڑپ اُٹھتے تھے سارے اہل محفل

عجب تھا وعظ مقبول و مکمل — مچی تھی ہر طرف محفل میں ہلچل

ثنائے وعظِ دلکش چار سو تھی — نزاعی مسئلوں پر گفتگو تھی

قوی کچھ ایسے ہوتے تھے دلائل — سمجھ میں آتے جاتے تھے مسائل

روانی وعظ کی اللہ اکبر — زباں زد جیسے ہوں دفتر کے دفتر

ذرا جس مسئلے پر دیدیا زور — جزاک اللہ کا برپا ہوا شور

تبحر رونما تھا علم حاضر — ہو جیسے فلسفی کوئی مناظر

تلاطم خیز بحر علم دیں تھا — بیاں کیا شرح آیات مبیں تھا

مسلمانوں کا جوش اعتقادی — برابر کر رہا تھا یہ منادی

بیاں حضرت کئے جائیں مسلسل ہوں سارے اختلافی مسئلے حل

بجا جب ایک گرمی جب ہوئی تیز تمازت سے ہوا چہرہ عرق ریز

بڑھی خشکی حرارت سے لگی پیاس ہوا ضعف و نقاہت کا بھی احساس

دعا پر آپ نے کی ختم تقریر ہوئے اربابِ محفل یوں عناں گیر

مکرر ظہر پڑھ کر پھر بیاں ہو یہ موقع جانے پھر حاصل کہاں ہو

بیاں کے بعد جب ڈیرے میں آئے گھر آئے سیکڑوں اپنے پرائے

قدمبوسی پہ تھا ہر شخص مائل ہر اک تھا وعظ مولانا کا گھائل

مگر یہ مجمعِ اہلِ عقیدت ہوا قصداً خلل اندازِ راحت

مسلط ہی رہے سب لوگ سر پر دیا آرام کا موقع نہ دم بھر

سحر سے یوں ہی تھے بے آب و دانا بدقت کھا سکے ہم لوگ کھانا

ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ پھر ہونے لگے فوراً تقاضے

یہی تھا دم بدم سب کی زباں پر کہ مولانا کہیں پھر وعظ چل کر

ہجوم عام کا دیکھا جو اصرار کیا تقریر فرمانے کا اقرار

محبّ احمدِ والا نسب سے کہا ماجد میاں نے یہ ادب سے

کریں محفل میں چل کر آپ تقریر گراں حضار مجلس کو ہے تاخیر

جہاں میں آپ کا تھا وعظ مشہور ہوئے اس مشورہ سے لوگ مسرور

بیاں کی آپ نے جب ابتدا کی نماز ظہر ہم سب نے ادا کی

ادا فرض و نوافل کر چکے جب گئے محفل میں اطمینان سے سب

جناب قبلہ نے تقریر اپنی پہنچنے پر ہمارے ختم کر دی

ہوا چاروں طرف سے پھر اشارا کریں تقریر مولانا دوبارا

غرض پھر چار گھنٹے تک ہوا وعظ مدلل ہم نے ایسا کم سنا وعظ

ہوئی جب دھوپ کچھ مائل بہ زردی — خطابت ختم مولانا نے کر دی
نماز عصر کی پھر کی امامت — عقب میں تھی ہزاروں کی جماعت
دعا کے وقت تھا آمین کا شور — مچا تھا ہر طرف تحسین کا شور
تعالی اللہ یہ پرزور تقریر — یہ انداز بیاں یہ رنگ تاثیر
یہ سب مقبولیت یہ سب خطابت — بیاں میں یہ ادیبانہ فصاحت
خطابت میں یہ رنگ عارفانہ — تکلم میں یہ ذوق شاعرانہ
مجالس میں بیانات فضائل — سیاست میں یہ معلومات کامل
محرم میں یہ اذکار شہادت — دواماً یہ مضامین ولادت
مقابر پر یہ تشریحاتِ عرفاں — عقائد پر دلائل یہ نمایاں
اثر اندوز یہ شیریں بیانی — بطالت سوز یہ شعلہ زبانی
غرض یہ وعظ یہ رنگیں مقالات — کلام دلکش و اعلیٰ خیالات
عطیہ تھے خدائے مقتدر کا — نتیجہ تھے دعائے مقتدر کا
ہمیشہ مقتدر کا فیض اطہر — رہا ماجد میاں پر سایہ گستر
یہاں یہ ذکر بھی ہے برمحل سا — خلافت کا تھا کلکتہ میں جلسہ
مگر میرٹھ میں مولانا تھے بیمار — سفر کرنے کی طاقت تھی نہ زنہار
بن آتی تھی نہ کچھ اقرار کرتے — نہ اتنا وقت تھا انکار کرتے
مسیح الملک کے ہمراہ ناچار — گئے میرٹھ سے کلکتہ کو بیمار
وہاں پہنچے تو حالت تھی خطرناک — بجا تھے کچھ نہ عقل و ہوش و ادراک
جو دیکھی صدر کی نازک یہ حالت — ہوئے مایوس ارکانِ خلافت
ذرا کچھ آپ کو جب ہوش آیا — امیر خیر مقدم کو بلایا
مقامی صدر تھے مولانا آزاد — کیا ماجد میاں نے اُن سے ارشاد

علالت نے کیا ہے مجھ کو مجبور
رہوں شاید میں شرکت سے بھی معذور

نہ جلسہ میں مجھے احباب بلوائیں
مری قائم مقامی آپ فرمائیں

معالج کرتے ہیں پیہم یہ اصرار
کہ مجھ پر بند ہے رفتار و گفتار

رہا دن بھر یہی زورِ علالت
ہوئی دم بھر نہ اصلاً کوئی صحت

عشا پڑھ کر ذرا کچھ نیند آئی
نویدِ دولت بیدار پائی

تہجد کو اُٹھے بستر سے یک بار
توجہ کی بسوئے شیخ ابرار

لکھا خطبہ صدارت کا برابر
نماز صبح تک سولہ ورق پر

مگر پھر ہو گئے یکبار بے ہوش
رہے کچھ دیر تک سکتہ میں خاموش

اطبا نے کہا جب نبض دیکھی
ہوئی ہے شب کو کچھ بے احتیاطی

بالآخر ڈاکٹر نے بہر آرام
نکالا سوزنِ تدبیر سے کام

افاقہ کچھ ہوا کچھ ہوش آیا
سرور باطنی میں جوش آیا

خیال آیا کہ ہو جلسہ میں شرکت
معالج کو کیا حکمت سے رخصت

رضا کاروں سے منگوائی سواری
گئے جلسہ میں کی دربار داری

بٹھایا سب نے اعزاز و شرف سے
اُٹھا تکبیر کا غل ہر طرف سے

بجائے صدر کے علامہ آزاد
زبانی کر رہے تھے خطبہ ارشاد

درون وعظ ہی آزاد صاحب
ہوئے یوں اہل محفل سے مخاطب

جنابِ صدر جلسہ گو ہیں بیمار
مگر ہیں جلوہ فرما پیش حضار

غرض فرما کے اظہار تاسف
کرایا آپ کا سب سے تعارف

کھڑے ہو کر بصد ضعف و نقاہت
کیا حضرت نے کچھ عذرِ علالت

بمشکل لفظ کچھ آہستہ بولے
متانت سے لب خاموش کھولے

مخاطب ہو گئی جب بزم ساری
تو کر دی آپ نے تقریر جاری

بیاں آزاد کا چھوٹا جہاں تھا
وہیں سے سلسلہ جوڑا بیاں کا

مسلسل چند گھنٹے گفتگو کی
کئے حل مسئلے ملکی سیاسی

فن تنقید کے دکھلائے جوہر
دیا درس عمل ملکی فضا پر

کئے قائم سیاست پر وہ عنواں
ہوئے حیران سب ہندو مسلماں

خلافت پر دیا برجستہ خطبہ
کھلا دُنیا پہ مولانا کا رتبہ

بیاں تھا آپ کا اتنا مدلل
مکمل ہو گئی تقریر اول

علالت میں وہ کی گوہر فشانی
دکھا دی طبع موزوں کی روانی

بیاں میں دیکھ کر زور دلائل
بنی تصویر حیرت ساری محفل

ہزاروں کانگریسی لیڈروں میں
خلافت کے ہزاروں رہبروں میں

بطرز نو بہ استدلال معقول
ہوا خطبہ یہ مولانا کا مقبول

نقاہت میں یہ اظہار طلاقت
علالت میں یہ انداز خطابت

بہ بیماری میں گھنٹوں وعظ و تذکیر
وفور ناتوانی میں یہ تقریر

یقیناً جذبۂ روحانیت تھا
کمالِ قوتِ انسانیت تھا

عیاں اُن میں ید اللّٰہی اثر تھے
عجب مافوق فطرت وہ بشر تھے

ہزاروں وعظ جلسوں میں ہوئے ہیں
ہزاروں وعظ لوگوں نے سنے ہیں

بیاں رہتا تھا گو جاری بہت دیر
مگر سننے سے ہوتے تھے نہ دل سیر

بیاں کی دلنشیں دلکش روش تھی
بلا کی وعظ میں اُن کے کشش تھی

یہ عزت یہ قیادت یہ وجاہت
یہ جاہ و منزلت یہ شان و شوکت

نصیبِ طالبان جاہ کب تھی
مگر اُن پر تو چشم لطف رب تھی

یہ تھا فیضانِ سلطانِ مدینہ
کہ تھا آئینہ مولانا کا سینہ

ضیائے غوث اعظم سے ہمیشہ
منور آپ کا تھا ریشہ ریشہ

قوی تھا انتسابِ قادریت
ہمیشہ آپ کو ہوتی تھی نصرت

مدد فضل رسول اللہ کی تھی — طلب اُن کو نہ عز و جاہ کی تھی
جمال مظہر حق سے تھی نسبت — شبیہ عین حق تھی پاک صورت
دعائے مقتدر کی تھی یہ تاثیر — زباں تھی آپ کی تعویذ تسخیر
اثر تھا کس قدر روحانیت کا — زمانہ معتقد تھا منزلت کا
بنا رکھا تھا اک دنیا کو شیدا — کہاں ہوتے ہیں ایسے لوگ پیدا
زباں میں تھا اثر آنکھوں میں رس تھا — جو دیکھو ہم خیال و ہم نفس تھا
تھی اُن میں روح جوش مذہبی کی — ہمیشہ خدمت دینِ نبی کی
مفادِ ملک و ملت میں بلا شک — رہے مصروف اٹھائیس برس تک
بکثرت بستیاں ہندوستاں کی — ہیں قائل آپ کے فیض بیاں کی
ملے شاید ہی ایسا شہر کوئی — نہ ہو جو فیض یاب وعظ گوئی
نہ تنہا ہند میں تھا وعظ مشہور — عراق و مصر تک تھا اُن کا مذکور
ہوئے جب حاضرِ دربارِ بغداد — درِ غوث الوریٰ سے پائی امداد
وہاں اکثر اداراتِ ادب میں — بیاں ہوتے رہے اہلِ عرب میں
گیا جدہ کو جب وفدِ خلافت — تھے مولانا بھی اک رکن جماعت
مفاد ملت اسلامیہ پر — ہوئیں جدہ میں تقریریں برابر
یہاں سے آپ پہنچے قاہرہ جب — ملے مصری مہذب اہل مذہب
شیوخِ جامع ازہر نے ہر روز — سنے اکثر مقالاتِ دل افروز
غرض کچھ ایسے وہ جادو بیاں تھے — فصیحانِ عرب تک مدح خواں تھے
فلاح قوم کا تھا جوش اُن کو — نہ تھا کچھ تن بدن کا ہوش اُن کو
مجسم پیکر صدق و صفا تھے — سراپا وقفِ دین مصطفےٰ تھے
کبھی آرام سے بیٹھے نہ گھر پر — کیا چل پھر کے میدانِ عمل سر
سکون قلب تھا مائل بہ چستی — تھی بیماروں سے بدتر تندرستی

علالت میں بھی تھا ہر کام جاری
مرض گویا کہ تھا خود اختیاری

سحر کو درد ہے گھبرا رہے ہیں
مگر شب کو بیاں فرما رہے ہیں

مکاں پر رات کو آئے ہیں بیمار
ہیں دن میں لکھنؤ جانے کو تیار

ابھی پنجاب سے آئے ہیں واپس
ابھی دیکھا کہ جاتے ہیں بنارس

سحر کو آگرہ میں چائے پی ہے
بریلی شام کو تقریر کی ہے

کبھی مدراس میں بنگال میں ہیں
دکن میں ہیں کبھی بھوپال میں ہیں

کبھی ہیں مہرباں اپنے ضیاؔ پر
بسولی آئے ہیں جدہ سے چل کر

محرم بمبئی میں ہیں گزارے
گئے ہیں گیارہویں میں نانپارے

امین آباد میں میلادِ اطہر
پڑھا ہے جوش سرمستی میں شب بھر

رجب میں محو ذوقِ بے خودی ہیں
شریک جشن معراج نبی ہیں

کہیں ہیں نوحہ گر بزم عزا میں
کہیں موجود عرسؒ و فاتحہ میں

یہی تھا کام صبح و شام اُن کا
جہاں بھر میں تھا فیضِ عام اُن کا

غرض یوں زندگی قربان کر دی
تصدق راہ حق میں جان کر دی

ادا کرنا تھی جو سنت ادا کی
قضا بھی کی تو غربت میں قضا کی

ضیا صبر و سکوں سے کام لو اب
زباں روکو کلیجہ تھام لو اب

کرو تاریخ کا قائم وہ عنواں
اصولاً ہو جو مولانا کے شایاں

یقیناً آپ اِس دورِ دوراں میں
امام الہند تھے ہندوستاں میں

معظم ہادی ارباب دیں تھے
مسلّم واعظ روئے زمیں تھے

اسی تخیل پر وقتِ کتابت
زبان کلک پر ہے سالِ رحلت

ضیاؔ ہے مصرعہ تاریخ زریں
امام الہند واعظ قبلہ دیں

۱۳۰۵ھ

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتخاب مرثیہ

''پارہ ہائے جگر''

از : مولوی تولا حسین تولاؔ بدایونی

جو بیخود ہیں مجھے بھی ہوش سے بیگانہ کہتے ہیں
جو اہل درد ہیں دل کو مرے غم خانہ کہتے ہیں
جو ہیں دل سوز مجھ کو حسن کا پروانہ کہتے ہیں
نظر والے فقط گذرا ہوا افسانہ کہتے ہیں
مری ہستی فریب عشق ہے دھوکا ہی دھوکا ہوں
محبت کا مٹا سا نقش ہوں یعنی تولا ہوں

ٹھہر اے بیخودی انداز مشتاقی تو آ جائے
بلاؤں گا تجھے لیکن خوش اخلاقی تو آ جائے
قسم کھاتا ہوں سب پی تھی کہاں باقی تو آ جائے
بہکنا دیکھنا میرا ذرا ساقی تو آ جائے
باندازِ دگر جذبات دل اظہار کرنا ہیں
جگر کے خون کی پچکاریاں اشعار کرنا ہیں

کہاں ہے کاوشِ زخمِ الم لے چٹکیاں دل میں
اُٹھا دے اے خیالِ دوست پھر دردِ نہاں دل میں
بھڑک اے شعلۂ غم طور کا بھر دے دھواں دل میں
مدد اے بیخودی ٹھہرے نہ فریاد و فغاں دل میں

وہ نالے ہوں کہ ہر ذرہ شبیہ غم نظر آئے
بدایوں کی زمیں ساری صفِ ماتم نظر آئے

ہلے جذبات کی دنیا جو تم اے رنج و غم ٹھہرو
اثر ہو آہ میں پیدا جو تم اے رنج و غم ٹھہرو
نظر آ جائیں مولانا جو تم اے رنج و غم ٹھہرو
تصور میں کھنچے نقشہ جو تم اے رنج و غم ٹھہرو

ذرا دل کی حقیقت کا معمّہ حل تو ہونے دو
اس آئینہ میں صورت دیکھنا صیقل تو ہونے دو

ہوا ہے ملک میں کیا انقلاب افسوس کیا کہیے
لحد میں کون ہے مصروف خواب افسوس کیا کہیے
جہاں تاریک ظلمت بے حساب افسوس کیا کہیے
چھپا کس منزلت کا آفتاب افسوس کیا کہیے

ہوا عالم تہ و بالا مصیبت اس کو کہتے ہیں
قیامت اور کیا ہوگی قیامت اس کو کہتے ہیں

پڑی ہیں کشتیاں دریا میں لیکن ناخدا گم ہے
مرض موجود ہے بیمار حاضر ہیں دوا گم ہے
شراب و میکدہ ہے ساقیِ گل گوں قبا گم ہے
مسافر ڈھونڈھتے پھرتے ہیں منزل رہنما گم ہے

تحفظ قوم کا ہمت مگر مصروف کار اس کی
مزہ یہ تھا گلستاں دوسروں کے تھے بہار اس کی

کہاں وہ چاند سا رخ جس پہ تنویریں تصدق تھیں
کہاں ہے وہ دماغ اب جس پہ تدبیریں تصدق تھیں
کہاں ہے وہ زباں اب جس پہ تقریریں تصدق تھیں
کہاں ہے وہ بیان اب جس پہ تاثیریں تصدق تھیں

کہاں وہ آنکھ ہے جس میں مئے وحدت کی مستی تھی
کہاں ہے وہ نظر جو ناظر بزمِ الستی تھی

کہاں وہ سر کہ جس نے علم و حکمت کو بہم پایا
کہاں ہے اب وہ پیشانی جسے سجدوں میں خم پایا
کہاں وہ کان نالوں نے جنھیں کانِ کرم پایا
کہاں وہ لب جنھیں شیریں صدا نے دم بہ دم پایا

کہاں وہ ریش جو اسلام کی شوکت بڑھاتی تھی
کہاں ہے اب وہ بینی جس کو خود بینی نہ آتی تھی

کہاں ہے وہ دہن جلوے دمِ گفتار تھے جس میں
کہاں ہے اب وہ گردن خوبیوں کے ہار تھے جس میں
کہاں ہے اب وہ سینہ علم کے انوار تھے جس میں
کہاں ہے اب وہ دل توحید کے اسرار تھے جس میں

کہاں وہ ہاتھ جن کو دستگیر اہل غم پایا
کہاں وہ پائے نازک ہیں جنھیں ثابت قدم پایا

کہاں ہے وہ جسے اسلام کا جانباز کہتے تھے
کہاں ہے وہ جسے عشقِ خدا کا راز کہتے تھے
کہاں ہے وہ جسے سب قوم کا دمساز کہتے تھے
کہاں ہے آہ جس کو ہم سراپا ناز کہتے تھے

کہاں ہے وہ نہ لے جو دشمنی کا غیر سے بدلا
کہاں ہے جس نے کینہ کو دعائے خیر سے بدلا

عیاں اُس خلق کی اُس نے علی الاعلان کی صورت
مسلمانوں کی ہونا چاہیے جس شان کی صورت
دکھا دی سب کو اپنی شکل میں ایمان کی صورت
فرشتہ تھا ہمارے سامنے انسان کی صورت

نہ اب ساقی نہ چشم مست کا پیمانہ باقی ہے
فقط حسن عمل کا خلق میں افسانہ باقی ہے

کئے لطف و کرم ہر شخص پر اکرام والے نے
بنائے کام بگڑے سیکڑوں کے کام والے نے
ہمیشہ خدمت اسلام کی اسلام والے نے
بدایوں کا کیا تھا نام روشن نام والے نے
وہ رہتے تو وطن کی خاک تک رفعت نشاں ہوتی
کسی دن یہ زمیں بھی بڑھتے بڑھتے آسماں ہوتی

کھلایا مال اپنا دوسروں کو عمر بھر اُس نے
کہاں کا جمع کرنا، کی نہ دولت پر نظر اُس نے
دکھائی انکساری کی ادا شام و سحر اُس نے
قدم راہ تکبر میں نہ رکھا بھول کر اُس نے
دکھا دی بات یہ مہر مبینِ منزلت ہو کر
نہ خود کو ہم کہا مسند نشینِ منزلت ہو کر

دو رنگی کا نہ تھا مرحوم منظر دور تھا اس سے
بنے رہبر رہے غافل سراسر دور تھا اس سے
وظیفہ لب پہ دل میں خواہش زر دور تھا اس سے
بہ منبر حق بخلوت کار دیگر دور تھا اس سے
عروسِ حبِ دنیا سے نہ اُس کو ہم بغل پایا
ہمارا دوست وہ عالم تھا جس کو باعمل پایا

کریں گے اُس کا ماتم ملک کے پیرو جواں برسوں
رہے گا کارواں کو یاد میرِ کارواں برسوں
جو تھے نامہرباں اُن پر رہا وہ مہرباں برسوں
برائی کے عوض کیں دشمنوں سے نیکیاں برسوں

کتابیں درسگاہ صبر کی دیکھیں تمام اُس نے
پڑھا سب کچھ پڑھا لیکن نہ لفظ انتقام اُس نے

مٹا انسانیت کا نام انسانوں میں ہلچل ہے
قرارِ دل ہوا رخصت پریشانوں میں ہلچل ہے
اُٹھا اسلام کا رہبر مسلمانوں میں ہلچل ہے
ہوئی خاموش شمع بزم پروانوں میں ہلچل ہے

کہاں ہے ملک کو خورشید منزل کر دیا جس نے
وہ لیلیٰ ہے نہاں محمل کو محمل کر دیا جس نے

رہا اب کیا یہاں جب ہو چکا اے دوست تو رخصت
حواس و ہوش رخصت صبر رخصت آرزو رخصت
چمن میں شور ماتم ہے ہوئی پھولوں سے بو رخصت
زمیں سے روشنی رخصت جہاں سے ماہرو رخصت

نہ ہم میں ضبط کی طاقت نہ چہروں پر بحالی ہے
رہی اک جان مضطر وہ بھی رخصت ہونے والی ہے

بتا دے اے چراغ علم کس محفل میں پنہاں ہے
بتا دے اے مہ تو قیر کس منزل میں پنہاں ہے
بتا موج کرم کس دامنِ ساحل میں پنہاں ہے
بتا دے اے دلوں کی آرزو کس دل میں پنہاں ہے

تصور کس جگہ ڈھونڈے بلانے کو کہاں جائے
فغاں اے روٹھنے والے منانے کو کہاں جائے

چھپے تم دل چھپا اپنا تن بے جاں کے پردے میں
چھپے تم عشق گم ہے عالمِ امکاں کے پردے میں
چھپے تم یار پنہاں ہے دلِ حیراں کے پردے میں
چھپے تم اب نظر ہے دیدۂ گریاں کے پردے میں

بدل کر بھیس ماتم کا جہاں میں انقلاب آیا
چھپے تم کیا کہ سب کو بے حجابی سے حجاب آیا

اُٹھے تم ملک کی رونق اُٹھی غم ہے جہاں دیکھو
اُٹھے تم اُٹھ رہا ہے ہر طرف شور و فغاں دیکھو
اُٹھے تم سینۂ سوزاں سے اُٹھتا ہے دھواں دیکھو
اُٹھے تم درد بھی دل میں اُٹھا اے مہرباں دیکھو

اُٹھے تم کیا قیامت ہی زمانے میں اُٹھا بیٹھے
اُٹھے تم کیا کہ اٹھنے کا سبق سب کو پڑھا بیٹھے

خدا جانے کہاں تم ہو خدا جانے کہاں ہم ہیں
حیاتِ جاوداں سے آشنا تم نیم جاں ہم ہیں
کہیں کیا کون چھوٹا بیخودی کی داستاں ہم ہیں
یہ آغوش تحیر دل زبانِ بے بیاں ہم ہیں
ہنسی اُڑنے لگی اے غم جنون شام ہجراں کی
ہوا میں دھجیاں اُڑنے لگیں شاید گریباں کی

مفصل کیا کہیں اے غم جو صدمہ دل پہ شاق اب ہے
یہ شرح مختصر سن زندگانی بے مذاق اب ہے
ہوا اک دوست رخصت دل میں باقی اشتیاق اب ہے
قیامت ہے قیامت تک غمِ طولِ فراق اب ہے
جدا رہنے پہ خود ہی دوست راضی ہو تو کیا کہیے
فسانہ دوستی کا ذکر ماضی ہو تو کیا کہیے

وطن سے دور غربت میں قضا سے کی شناسائی
شہیدوں میں ہوئے شامل حیاتِ جاوداں پائی
فنا کے ہجر میں جب زیست کی صورت نظر آئی
لہو کے رنگ میں رخ پر بقا کی موج لہرائی
وہ خون عشق ہے رگ رگ میں جس کا جوش رہتا ہے
شہیدانِ وفا زندہ ہیں مُردہ کون کہتا ہے

اُٹھا جب دوست دنیا سے رہا دنیا میں کیا باقی
بس اک ماجد میاں ماجد میاں کی ہے صدا باقی
یہی منظور حق تھا اُٹھ گئے وہ غم رہا باقی
رہے گا حشر تک اب ذکر اُن کا جا بجا باقی

بیاں سے داد انداز بیاں مرحوم لیتے تھے
نکلتے تھے جو منھ سے لفظ منھ کو چوم لیتے تھے

توالا غیر ممکن ہے فغاں سے دوست مل جائے
غلط بالکل غلط غم کے بیاں سے دوست مل جائے
یہ ہونے کا نہیں اس داستاں سے دوست مل جائے
نہ ہو جب دوست دنیا میں کہاں سے دوست مل جائے

یہ مانا دوست ہمدرد دل بیتاب دیکھا تھا
مگر اب یہ سمجھ لو دوستی کا خواب دیکھا تھا

کلام منظورؔ

مولانا عبدالماجد بدایونی اپنی دیگر صلاحیتوں اور خوبیوں کے ساتھ ایک پُرگو اور صاحب طرز شاعر بھی تھے، زیادہ تر نعت ومناقب میں طبع آزمائی کی ہے، منظورؔ تخلص فرماتے تھےؔ۔ آپ کا کلام عرس قادری کی رودادوں، مختلف رسائل اور بیاضوں میں بکھرا ہوا ہے۔ یہاں آپ کے کلام کا ایک مختصر انتخاب پیش کیا جارہا ہے۔

(مرتِب)

رباعی

سردارِ رسل حضورِ والا ٹھہرے
واللہ کہ سب جہاں سے اعلیٰ ٹھہرے
منظورؔ ملا انہیں کو یہ رتبۂ پاک
محبوبِ خدا وندِ تعالیٰ ٹھہرے

تضمین برغزل حسرتؔ موہانی

☆

جرم ہے تذکرۂ حفظِ شمار دینی
وجہِ الزام ہے اظہار ولائے قومی
میں کہ ہوں تابع فرمانِ رسول عربی
"مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی
غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئًا لِلّٰہ"

شہِ جیلاں کو یہ بخشی ہے خدا نے قدرت
کہ وہ بر لاتے ہیں حاجت طلبوں کی حاجت
عام ہے ان کا کرم عام ہے انکی رحمت
"غوثِ اعظم سے جو مانگو گے ملے گا حسرتؔ
بس کہو حاضرِ دربار ہوں شیئًا لِلّٰہ"

☆☆☆

سلام بحضور غوث انام

السلام اے محیِ دین و محیِ ملت السلام
السلام اے نائب ختم رسالت السلام

السلام اے نیر برج کرامت السلام
السلام اے مہر تابانِ ولایت السلام

السلام اے منبعِ جود و سخاوت السلام
السلام اے معدن حلم و مروّت السلام

السلام اے بازوئے حیدر کی قوت السلام
السلام اے مصطفےٰ کی شان سطوت السلام

السلام اے مایۂ صد عیش وعشرت السلام
السلام اے دافع رنج و مصیبت السلام

السلام اے واقفِ اسرار وحدت السلام
السلام اے زیب وزین بزم کثرت السلام

السلام اے مالکِ ملکِ فضیلت السلام
السلام اے حاکم اقلیم حکمت السلام

السلام اے فخر انساب سیادت السلام
السلام اے غازۂ روئے سعادت السلام

السلام اے ماحیِ کفر و ضلالت السلام
السلام اے برق میدان ہدایت السلام

السلام اے ساقیِ جام محبت السلام
السلام اے جامع شرع وطریقت السلام

السلام اے داروئے درد محبت السلام
السلام اے عاشقوں کے دل کی حسرت السلام

السلام اے کربلا کی پھولتی پھلتی بہار
السلام اے گلشن ایماں کی نکہت السلام

السلام اے چارہ ساز و دستگیر بے کساں
السلام اے میرے سرگرم حمایت السلام

السلام اے ناخدائے کشتیِ رنج و الم
السلام اے ڈوبتوں کی نیک قسمت السلام

السلام اے شمع بزم من رانی کی ضیا
السلام اے یکّہٗ نور حقیقت السلام

السلام اے جانشینِ رحمۃ للعالمیں
السلام اے ابر رافت ظل رحمت السلام

السلام اے سید ومخدوم وسلطان وغریب
اے فقیر و خواجہ و شیخ طریقت السلام

میرے مولا نامرے درویش میرے بادشاہ
اے ولی و والی ملک ولایت السلام

میرے ملجاء میرے ماوا اور میرے دستگیر
میری ہمت میری جرأت میری سطوت السلام

مظہر حسن نبوت پر تو شان قدم
اے تجلّیِ جمالِ خود بدولت السلام

قبلۂ دل، کعبہ جاں، نور ایماں، روح دیں
صدر بزم اولیاء و فخر ملّت السلام

طلعت حُسن حَسن اور جلوۂ نور حسین
خانۂ زہرا کی روشن شمع عزت السلام

سایۂ لطف الٰہی اے مرے ابر کرم
اے امان تابش مہر قیامت السلام

ملجاء و ماوا جہاں کے خلق کے فریاد رس
بے سہاروں کے سہارا جانِ رحمت السلام

اے مرے مشکل کشا، حاجت روا عالی ہمم
شاہِ والا صاحبِ لطف و عنایت السلام

سید جیلی، شہ بغداد، سلطانِ عراق
اے شرف بخش ہر اک فضل و فضیلت السلام

باز اشہب سید و جید کرم فرمائے دہر
قادر و مختار عالم شان قدرت السلام

مرجع کل بندہ پرور پیشوا و مقتدا
طرۂ دستار فضل وجود و عزت السلام

جان جاناں باعث سوز و گداز مقتدرؔ
نازش حسن ادا جان ملاحت السلام

والی منظورؔ، والا جاہ، مولائے جہاں
اے ولی ابن ولی شاہ ولایت السلام

☆☆☆

مسدّس

بحضور سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ معین الحق فضل رسول قادری بدایونی

بموقع عرس معینی درگاہ قادری بدایوں شریف

پھر وہ مبارک آیا مہینا — بدلا خدائی بھر کا قرینا
کھل گیا رحمت حق کا خزینا — عرش بنا دل سینہ مدینا
وا ہے درِ فیضانِ الٰہی
جلوہ کناں ہے شانِ الٰہی

آ گئی رُت پھر عیش و طرب کی — بدلیاں چھائیں رحمت رب کی
چاندنی چھٹکی ماہِ عرب کی — خیرہ نگاہیں ہو گئیں سب کی
نورِ خدا بے پردہ عیاں ہے
وادیٔ ایمن بزمِ جہاں ہے

جوش پہ ہے پھر رحمتِ باری — پھر ہے شگفتہ ہر پھلواری
گل کی سج دھج پیاری پیاری — مست طرب ہے بادِ بہاری
دھوم مچی ہے صحنِ چمن میں
نکہتِ گل ہے بوئے سمن میں

فصلِ طرب ہے موسمِ گل ہے — محوِ مسرّت ہر بلبل ہے
زلف پری جعدِ سنبل ہے — نغمۂ عیش کا باغ میں غل ہے
چڑیاں گاتی ہیں مل مل کر
کلیاں ہنستی ہیں کھل کھل کر

بادِ بہاری صد رعنائی — پھرتی ہے گلشن میں اترائی
مرغ ہیں محوِ نغمہ سرائی — شاہدِ گل نے چھب دکھلائی

رنگِ چمن عشرت افزا ہے

عطر میں ڈوبی گل کی قبا ہے

روح فزا پھولوں کی مہک ہے نغمۂ نے غنچوں کی چٹک ہے
ہر گل سبو میں وہ چمک ہے سر بہ گریباں ماہِ فلک ہے

ضو ہے ستاروں کی وہ چمن میں

چاندنی پھیلی ہے گلشن میں

نسریں کی سج دھج ہے نرالی ہے گل خور فانوس خیالی
باغ میں چڑیاں ڈالی ڈالی پھرتی ہیں خوش خوش متوالی

دلکش ہے گلبانگ عنادل

خورم و شاداں ہے سب کا دل

سوسن کی پوشاک ہے آبی جوڑا حنا کا سرخ شہابی
لالے کی ٹوپی عنابی کلغے کی دستار گلابی

ہے گل ورد کا دھانی جامہ

خضر کے سر پر سرخ عمامہ

اُٹھے عرب سے بادل کالے رم جھم برسے نور کے جھالے
ارمانوں نے پاؤں نکالے مست ہوئے میکش متوالے

ساقی نے گردن مینا خم کی

بادہ کشوں کی قسمت چمکی

متوالوں کے غول برابر جام بکف ہر سمت سے چل کر
آتے ہیں دوڑتے جھومتے اکثر میلہ لگا ہے مست کے در پر

بغدادی مئے کا یہ اثر ہے

میخانہ برکات نگر ہے

رندوں میں اک شور مچا ہے ساقی مقتدر آج بنا ہے
ڈھنگ نیا انداز نیا ہے میخانہ میں رنگ رچا ہے
میکش سارے جھوم رہے ہیں
شیشوں کا منھ چوم رہے ہیں

خلد سے جام و سبو بھر بھر کر لاتے ہیں قدسی بادۂ کوثر
گرم ہے دورِ شرابِ احمر پُر ہیں مئے تسنیم سے ساغر
دخت عنب ہے حور بہشتی
پیر مغاں ہیں خواجۂ چشتی

پیر مغاں میں کب تک تڑپوں کب تک تشنہ لبی سے سسکوں
تا کہہ رنج و مصیبت جھیلوں رحم بحالے تشنۂ و محزوں
صدقے جاؤں میرے ساقی
دیدے جو کچھ بھی ہو باقی

بھر دے میرا ساغر بھر دے کر دے مست و بیخود کر دے
ساقی ہاتھ سے جام اگر دے نذر کریں دل تیرے بر دے
خشک زباں ہے تشنہ لبی سے
کر دے مست مئے غنی سے

جان لبوں پر آئی ہے ساقی دم پر دیکھ بنی ہے کیسی
کھول دے اب تو بوتل کوئی دیدے بھر کے کوئی پیالی
میخواروں کی خیر پلا دے
میخانہ کا صدقہ چکھا دے

ہو اس رنگ سے دورِ ساغر توبہ ٹوٹے کلمہ پڑھ کر
دیکھ کے چشمِ مست کے جوہر چکّر کھائے بختِ سکندر

جامِ سفالی جامِ جم ہو
صورت عنقا رنج و الم ہو

وہ مے جس کی سرور کی صورت فضلِ رسولِ خدا کی دولت
وہ مے ہے جو سراپا رحمت جس کا پینا فرض ہر حالت

رنگ دوئی جو دل سے مٹا دے
کھو دے خودی کو خدا سے ملا دے

عشق ہو باطن شرع ہو ظاہر نقطہ دور اول و آخر
آتش وحدت برق مظاہر غش ہوں مسلماں محو ہوں کافر

اُٹھے تلاطم بحرِ فنا میں
مل کے فنا ہوں عینِ بقا میں

ایسے مزے کا ساغر پی کر دل ہو ہمارا جامہ سے باہر
جلوۂ جاناں جاں ہیں سراسر وحدتِ کثرت ظاہر و مظہر

پردہ رہے یوں پردہ اُٹھے
راز کھلے پر حرف نہ آئے

راز حقیقت منھ سے نکل کر اور نہاں ہو روپ بدل کر
سنبھلے گر کر مچلے سنبھل کر نکلے نہ بل گو خاک ہو جل کر

سمجھے نہ کوئی سب کچھ کہہ دیں
خود ہی کہیں اور خود ہی سمجھیں

وہ مے دے جو پاک بنا دے چست کرے چالاک بنا دے
تاجِ سرِ افلاک بنا دے میخانہ کی خاک بنا دے

خود کو نہ پاؤں بے خود ہو کر
حشر کو جاگوں اب سے سو کر

آئی ہے جو طیبہ سے کھنچ کر — جس کا ساقی ساقیٔ کوثر
بھر دے اُس سے میرا ساغر — مست ہوا تُو جس کو پی کر

خمِ عذیر تھا جس کا دریا
میں بھی ہوں ساقی اُس کا پیاسا

مجھ کو پلا بغدادی خم کی — پیاری پیاری اچھی ستھری
لطف یہ ہے اے قادری ساقی — تیز سی دے اجمیر کی آئی

نشہ میں پہنچوں میں سوئے جیلاں
رہبر ہوں میرے خواجۂ عثماں

دے وہ مہ ہے جس کا چرچا — کالپی و مارہرہ میں پھیلا
نور بنا دے جس کا نشا — طور دکھا دے جس کا جلوا

شاہ فضل اللہ سے ملا دے
اچھے میاں کی جھوٹی پلا دے

مستیٔ مستِ وِلا صدقا — مجھ کو ملے وہ جام اچھوتا
جس میں بھری ہو ایسی صہبا — عشقِ نبی ہے جس کا نشا

پیتے ہی جس کے مدینہ پہنچوں
جلوۂ حق بے پردہ دیکھوں

دیکھوں میں وہ نور کی صورت — جلوہ برقِ طور کی صورت
دیکھ کے اپنے حضور کی صورت — نعرہ کروں منصور کی صورت

جان فدائے جلوۂ رو ہو
آبِ فنا سے اپنا وضو ہو

شوقِ لقا کی نیت باندھوں — پڑھنے دوگانہ شکر کا اُٹھوں
سجدہ درِ سرکار پہ کر دوں — بہرِ سلام نیاز پکاروں

تجھ پہ سلام اے شاہِ مدینہ

مہر مدینہ ماہِ مدینہ

میرا سلام اور ساقی کا میرے تجھ کو تیری آل کو پہنچے

جب تک جام محبت چھلکے جب تک ہوں میخانہ میں جلسے

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام فدا ہوں

جان و دل سے غلام فدا ہوں

صدیق و اصحاب کا صدقہ فاروق و احباب کا صدقہ

عثمانِ بیتاب کا صدقہ شہر علم کے باب کا صدقہ

حرمت اہل درد و محبت

جانبازانِ بزمِ شہادت

بہرِ امامِ دینِ معظم یعنی امامِ اعظم و اکرم

سرِّ علوم خدا کا محرم واقفِ حکمتِ شرعِ محکم

وہ جو ہے سر تاجِ امت

جس کا لقب ہے سراجِ امت

اپنے محی دیں کی خاطر غوثِ اعظم خلق کے ناصر

جلوۂ قدرت باطن و ظاہر عبدالقادر عبدالقادر

جن کا سراپا تیری صورت

جن کی صورت تیری طلعت

حسن حجازی روپ عراقی وجہ وجھك بالاشراق

تیرا مست جہاں کا ساقی یم العرفان بالاطلاق

اُس کا صدقہ ایک پیالا

ساقی تیرا بول ہو بالا

مقتدر جاں باز کا صدقہ اُس کے راز و نیاز کا صدقہ
آخری سجدۂ ناز کا صدقہ اُس کی سحر کی نماز کا صدقہ

لطف و گدازِ عبادت دے دے
سوز و ساز محبت دے دے

دل کو تڑپ دے سر کو سودا جان کو اپنے عشق کا چرکا
لب کو تیرا نام وظیفا وردِ زباں یا شاہ مدینا

بیٹھتے اُٹھتے جاگتے سوتے
تیرا دھیان ہو ہنستے روتے

بہرِ شہیدِ راہِ محبت حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت
بسملِ نازِ تیغِ غربت تھا جو امامِ اہلِ ہدایت

اُس کے جوشِ ولا کے تصدق
شورشِ عشقِ خدا کے تصدق

ہم بھی جامِ شہادت پائیں دولت عشق و محبت پائیں
عیش ابد کی نعمت پائیں سب کچھ تیری بدولت پائیں

دونوں جہاں سے ہو کر بے غم
پائیں فنا میں لطف بقا ہم

☆☆☆

عرضِ منظور

بحضور سیدنا تاج الفحول محبّ رسول شاہ مظہرِ حق عبد القادر القادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرے سرکار میں بھی حاضرِ دربارِ والا ہوں
بہت لاچار ہوں مجبور ہوں اور غم کا مارا ہوں
پریشاں حال ہوں افسردہ دل ہوں بے سہارا ہوں
ترے دربار میں بگڑی بنانے اپنی آیا ہوں

کرم فرمائیے صدقہ حضورِ غوثِ اعظم کا
مٹے نام و نشاں دل سے مرے ہر رنج کا غم کا

نہایت فکر دنیا اب تو دامنگیر رہتی ہے
عجب چکر میں میری آج کل تقدیر رہتی ہے
زباں ہر لحظہ وقفِ آہِ بے تاثیر رہتی ہے
نظر میں بے کسی کی ہر گھڑی تصویر رہتی ہے

کبھی تو شاد میرا بھی دلِ ناشاد ہو جائے
نگاہِ لطف بہرِ سیّد بغداد ہو جائے

پھنسا ہوں ان دنوں بے طرح میں رنج و مصیبت میں
گھرا ہوں چار جانب سے غم و اندوہ و آفت میں
بسر ہوتی ہے اب تو میرے مولا ایسی حالت میں
کبھی وحشت کے چکر میں کبھی دورِ علالت میں

میں صدقے جاؤں تسکینِ دلِ بیتاب فرما دو
سنور جائے مرا بگڑا ہوا ہر کام ایسا ہو

غمِ دارین کا کھٹکا مرے دل سے مٹا دیجے
مجھے قیدِ کشاکش ہائے دنیا سے چھڑا دیجے
کرم سے اپنے بیڑا پار اب میرا لگا دیجے
مجھے طوفانِ دریائے مصیبت سے بچا دیجے

میں تنہا ہوں ہجومِ یاس وحسرت کی چڑھائی ہے
دُہائی نائبِ غوثِ دو عالم کی دُہائی ہے

برا ہوں میں نکما ہوں ذلیل و خوار و رُسوا ہوں
بہت آوارہ ہوں ہر طرح سے بندہ خطا کا ہوں
خدائی بھر کا بد ہوں اور میں ننگِ زمانہ ہوں
یہ سب کچھ ہوں مگر اے مظہرِ حق میں تمہارا ہوں

بنے اچھے میاں اچھا بنا دو دین و دنیا میں
مری دولت مری عزّت بڑھا دو دین و دنیا میں

جو تم چاہو تو خارِ غم مرے دل سے نکل جائے
تمہارے لطف سے نخلِ تمنّا میرا پھل جائے
بلا آئی ہوئی سر سے مرے دم بھر میں ٹل جائے
مری تقدیر کا یہ پیچ وخم جائے یہ بل جائے

اشارہ ہو اگر مولا تری چشمِ عنایت کا
بنے مہر درخشاں ہر ستارہ میری قسمت کا

رہوں دنیا میں عزت سے بسر ہو عیش وعشرت میں
ملال وغم نہ آئے بھول کر میری طبیعت میں
کرم تیرا رہے میرا معاون ہر مصیبت میں
رہوں میں نور دیدہ بن کے ہر چشمِ بصیرت میں

مئے عشرت سے جامِ دل مرا لبریز ہو جائے
پھر افسردہ طبیعت ولولہ انگیز ہو جائے

پلا ایسی مجھے اے ساقیٔ میخانۂ جیلاں
کلیدِ بے خودی سے کھولدوں قفلِ درِ عرفاں
مٹے حسرت لگی دل کی بجھے نکلیں مرے ارماں
نظر آنے لگے بے پردہ مجھ کو جلوۂ جاناں
طلسمِ ہستیٔ موہوم ٹوٹے جوشِ مستی سے
خودی مٹ کر خدا مل جائے اس بادہ پرستی سے

چھپا لو اپنے دامن میں حضورِ مست کا صدقہ
نہ کھلنے پائے عیبوں کا مرے دارین میں پردہ
پئے فضلِ رسولِ پاک مجھ پر فضل ہو تیرا
رہیں مولانا عبدالمقتدر مجھ پر کرم فرما
عطا ہو ایک مرشد زادہ یہ دل کی تمنا ہے
یہی ہے مانگنا ہم کو یہی اب ہم کو لینا ہے

عطا ہو چھوٹے صاحبزادہ کو دارین کی برکت
رہے مولا کی میرے ان کے سر پر دائمی رحمت
پھلیں پھولیں غلاموں پر رہے ان کی یونہی شفقت
درِ فیض ان کا تیرے لطف سے ہو قبلۂ حاجت
الٰہی نام چمکے ان کا مہرِ آسماں بن کر
پڑھے خطبہ انھیں کا اک زمانہ خطبہ خواں بن کر

اعزّہ اقربا میرے رہیں دلشاد دنیا میں
غمِ کونین سے ہر دم رہیں آزاد دنیا میں
مدد پر ہر گھڑی ہو آپ کی امداد دنیا میں
میسر ہو سفر سب کو سوئے بغداد دنیا میں
غم واندوہ وحسرت سب کے دل سے دور ہو جائے
یہ عرضی آپ کے منظور کی منظور ہو جائے

منقبت

درشانِ حضور تاج الفحول قدس سرہ

کبھی تو خواب ہی میں جلوۂ عارض دکھا دینا
کسی شب تو مری سوتی ہوئی قسمت جگا دینا

ہمارا کام ہے رودادِ غم تم کو سنا دینا
تمہارا کام ہے بگڑی ہوئی حالت بنا دینا

جمالِ حق نما اے مظہرِ حق یوں دکھا دینا
جما کر رنگ وحدت نقش کثرت کو مٹا دینا

ہجومِ نا اُمیدی سے مجھے آ کر چھڑا دینا
مدد اے بیخودئ شوق دیوانہ بنا دینا

کھڑے ہیں دیر سے پھیلائے دامن مانگنے والے
اِدھر بھی اک ذرا دستِ کرم اپنا بڑھا دینا

زمانہ خندہ زن ہے میری روتی شکل پر مولیٰ
تمہارے ہاتھ میں ہے شاد کر دینا ہنسا دینا

بُرا ہوں میں نکمّا ہوں ذلیل و خوار و رُسوا ہوں
پئے اچھے میاں تم لطف سے اچھا بنا دینا

مدینہ کی کھچی بغداد سے آئی ہوئی تازہ
ذرا سی سنجری ساغر سے اے ساقی پلا دینا

نبی کے لطف کا جلوہ کرم غوثِ دو عالم کا
نگاہوں سے دکھا دینا اشاروں سے بتا دینا

رُکی ہے آ کے جانِ منتظر مشتاق آنکھوں میں
ذرا او سونے والے رُخ سے چادر کو ہٹا دینا

پڑے ہیں مست تیرے کب سے بیخود دیکھ اے ساقی
انھیں پھر دخترِ رز کے دامنِ تر کی ہوا دینا

تمنّا ہے اُٹھوں جب ہند سے یا غوث کہہ کر میں
مرے رہبر تو ہی بغداد کا رستہ بتا دینا

عطا ہو ایک مرشد زادہ والی ہم غلاموں کا
یہی منظوؔر کو تم مدح کا اپنی صِلا دینا

منقبت

در شان حضور تاج الفحول قدس سرہ

دیکھ پایا مظہرِ حق کا رُخِ پُرنور آج
بن گئی میری نگاہِ شوق برقِ طور آج

آ گیا دل میں تصور اُس رُخِ پُرنور کا
میری قسمت کی سیاہی ہو گئی کافور آج

آتے جائیں پینے والے پیتے جائیں خُم کے خُم
کہہ رہی ہے یہ کسی کی نرگسِ مخمور آج

ہر در و دیوار سے ظاہر ہے نورِ مصطفےٰ
صحنِ درگاہِ مجیدی ہے بساطِ نور آج

کھل گیا بابِ عطائے مظہرِ حق کھل گیا
ہو گیا دل سے خیالِ نا اُمیدی دور آج

فیض ہے یہ جلوۂ ہم نامِ غوثِ پاک کا
ہے بدایوں نور سے بغداد کے معمور آج

وا ہوا ہے میکدہ مستِ مئے بغداد کا
کر رہا ہے دورِ ساغر بیخود و مخمور آج

جلوہ فرما دل میں ہے نورِ جمالِ عینِ حق
جل رہا ہے میرے سینہ میں چراغِ طور آج

شاد ہوں میں اپنے مولا کے قدم سے ہوں قریب
ہے غم و اندوہ وحسرت دل سے میرے دور آج

آمد آمد ہے خیالِ روئے انور کی ترے
ہوتی ہے رخصت طلب مجھ سے شبِ دیجور آج

ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے اے مرے ابنِ غنی
تیرا بندہ تیرا دیوانہ ترا منظور آج

عرض منظور

بحضور سرکار صاحب الاقتدار سیدنا شاہ عبد المقتدر قادری بدایونی

یہ بلا و ستمِ ہوشربا کس سے کہوں   واردات غم و اندوہ فزا کس سے کہوں
کوئی میرا نہیں اب تیرے سوا کس سے کہوں   چرخ ہے درپئے آزار و جفا کس سے کہوں

مقتدر صاحب الطاف و عنایت مددے
دست قدرت مددے جلوۂ رحمت مددے

خستہ حالوں کی قسم سینہ فگاروں کی قسم   آپ کو اپنی قسم اپنے پیاروں کی قسم
اپنے تیرِ نگہٗ ناز کے ماروں کی قسم   اپنے ابروئے کشیدہ کے اشاروں کی قسم

بنگراز چشم کرم سوئے من عاجز و زار
نہ کسے مونس و ہمدرد نہ یار و غم خوار

ہے عجب بیکسی و یاس میں جان و پُر غم   صبر کی تاب نہیں اب ترے قدموں کی قسم
سانس سینہ میں کبھی ہے کبھی آنکھوں میں ہے دم   قابل رحم ہے بیتابیٔ دل کا عالم

اے مسیحائے من از باد کرم کار نما
قُم بگو قدرت حق برسر اظہار نما

لاج اب پھیلے ہوئے ہاتھ کی میرے رکھ لو   میرے سرکار کہاں ہو مری فریاد سنو
دل دیا میں نے تمہیں تم بھی مجھے کچھ دیدو   اک ذرا بندہ نوازی کی ادا سے دیکھو

شہرۂ حسن عطائے تو زحد می گذرد
جلوۂ شان و سخا دست طلب می طلبد

میری ہمت سے سوا فزوں آپکی بخشش کا کمال   آپ کا میرے ارادہ سے سوا جود و نوال
آپ ہیں شاہ ہے شاہوں کا طریقہ افضال   میں گدا ہوں مرا شیوہ ہے طلب اور سوال

شاد باشم کہ شہ بندہ نوازے دارم
لطف دارین بصد ناز و نیازے دارم

مرنے جینے کے لئے تاک لیا ہے ترا در　　اب تو جو کچھ ہو یہیں ہم نے جمایا بستر
نام سرکار وظیفہ ہے مرا شام و سحر　　لب پہ یا مقتدر رہتا ہے اب آٹھ پہر

جلوہ ذات احد مظہر اسماء و صفات

اسمہ مقتدرٌ وھو فناءٌ فی الذات

محرم راز خدا واقف اسرار نبی　　جلوۂ شان عطا ابن سخی ابن غنی
وارث علم علی باب کمال نبوی　　صورت غوث دو عالم بلباس ہندی

دستگیر دو جہاں نائب پیران پیر
دست من ازرہ الطاف و عنایات بگیر

روضہ حضرت شاہنشہ جیلاں کے لئے　　تربت اچھے میاں خسرو ذیشاں کے لئے
عین حق مست خم بادہ عرفاں کے لئے　　حضرتِ فضل رسول شہ دوراں کے لئے

شاد کن شاد پئے مظہر حق جان مرا
جُز تو فریاد رسی ہیچ ندارم اصلا

مجھ پہ ہو لطف وِ کرم بہر شہید مرحوم　　ہادی و حامی دیں حضرتِ عبدالقیوم
آپ کو میری حقیقت ہے سراسر معلوم　　میں ہوں ناکارۂ حیران و پریشاں مغموم

مفلسم بے زر و بے مایہ وبے بال و پرم
عاجز و مضطر و حیران و پریشاں ہستم

دیجئے اپنے چمکتے ہوئے رخ کی خیرات　　کیجئے بندہ نوازی سے عنایت دن رات
آپ چاہیں تو ابھی مجھ سے ہو دفع آفات　　آپ کی ایک نظر میں مری بن جائے بات

بردرت آمدہ ام شاکی بخت و تقدیر
نظرِ مہر بفرما پئے اخلاص قدیر

اپنی پابندیٔ احکام شریعت کے طفیل　　اپنے اخلاص کے اور اپنی عبادت کے طفیل
اپنی محویت اذکار طریقت کے طفیل　　آخری سجدۂ سرمایۂ طاعت کے طفیل

زنگ عصیاں ز دل بندۂ خود دور بکن
یک نظر بہر خدا بر منِ منظور بکن

منقبت

میرے والی میرے مولا پیر عبدالمقتدر
ملجا و ماوا جہاں کے دستگیر بیکساں
وارث شان نبوّت روح ایماں جان دیں
محرم اسرار بزم خاتم پیغمبراں
تو غلام پیر بن کر ہو گیا پیران پیر
تری ہستی ہے وجود غوث اعظم کا نشاں
قادر مختار نے تجھ کو بنایا مقتدر
شان قدرت تیری صورت میں ہوئی آ کر عیاں
جلوہ گر تجھ میں تجلّیٔ جمال غوث ہے
ترے جلوہ سے منور کیوں نہ ہو سارا جہاں
لطف میں ہے تیرے الطاف الٰہی کا ظہور
مہر تیری رحمت خلّاق عالم کا نشاں
تیرا حسن خلق ہے اک شمّۂ خُلقِ عظیم
تیری خصلت تیری عادت سیرت پیغمبراں
اس قدر ظاہر ہے اخفائے کرامت کا اثر
صورت انساں پہ ہوتا ہے فرشتہ کا گماں
بالیقیں در عادت تو خرق عادت دیدہ ام
دیدہ ام ہر روز و شب صدہا کرامت دیدہ ام

☆☆☆

منقبت

پیر میرے تجھ کو اپنے سوز دل کا واسطہ
مجھ ضعیف و زار پر لطف و کرم کی ہو نگاہ

اے مرے مشکل کشا، عقدہ کشا، حاجت روا
قیدِ غم میں ہوں رہائی کی نہیں ہے کوئی راہ

تو مری بگڑی بنا دے، لاج رکھ لے تو مری
سخت مضطر ہوں، بہت ہے اب مری حالت تباہ

تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں تیری الفت کے طفیل
مال دنیا چاہتا ہوں اور نہ میں دنیا کی جاہ

اپنے قدموں میں بلا لے اپنے قدموں کی قسم
سر ترے منظورؔ کا ہو اور سنگ بارگاہ

چشم ظاہر بیں سے دیکھوں میں تجھے ظاہر ظہور
نور رویت سے منور ہو مرا بخت سیاہ

جس لئے بھیجا ہے مجھ کو اُس میں کر دو کامیاب
ہو چکی تاخیر اب ہو کار سازی کی نگاہ

ورِدلب ہے نام ترا دل میں ہے تیرا خیال
اب ہے ذکر و شغل اپنا بس یہی شام و پگاہ

آئے دن بیماریاں ہیں نت نئی رنجوریاں
ہر گھڑی ہر آن رہتی ہے مری حالت تباہ

ملتجی غیروں سے میں تیرے سوا ہوتا نہیں
ہے خدا شاہد مرا اور تو بھی ہے اس پر گواہ

رَبّنا ادفع هموم عبدك العاصی الغریب
انت مولانا فجد بالجود و الفضل القریب

☆

منقبت

میں بے کس ہوں مرے ملجا و ماویٰ و ولی تم ہو
میں منگتا ہوں مرے داتا غنی ابن غنی تم ہو

رُخِ پرنور آئینہ ہے حسن مــن رآنــی کا
مرے مولا سراپا جلوۂ نور نبی تم ہو

پلایا ہے تمہیں جام محبت غوث اعظم نے
میں صدقہ جاؤں مست بادۂ حُبِّ علی تم ہو

یونہی بنتی ہے میری دین و دنیا کی ہر اک بگڑی
کبھی حامی حضورِ غوث ہیں مولا کبھی تم ہو

خموشی میری عرض حال کرتی ہے مرا تم سے
سمجھتا ہوں کہ بیشک واقف سرّ خفی تم ہو

مزے ہیں پھر تو اپنی خستہ حالی رنگ لائے گی
مرے حامی جو اے سرکار وقت بے کسی تم ہو

حضور غوث کے مظہر ہو تم صورت میں سیرت میں
سراپا جلوۂ حسن فقیر قادری تم ہو

شہنشاہی زمانہ کی تمہاری ٹھوکروں میں ہے
تمہاری شان ہے اعلیٰ فقیر قادری تم ہو

کرم یا شاہ عبدالمقتدر منظورؔ بے کس پر
نہیں ہے کوئی اُس کا صرف والی و ولی تم ہو

☆☆☆

منقبت

در شان تاجدار مارہرہ سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قادری مارہروی قدّس سرّہٗ

مارہرہ میں کیا کیا نہ مرے پیشِ نظر ہے
اجمیر بھی بغداد بھی برکات نگر ہے

مانا کہ قیامت میں بڑا خوف و خطر ہے
جب تم مرے حامی ہو تو پھر کیا مجھے ڈر ہے

جو کچھ برکت ہم کو ملی ہے وہ یہیں سے
اپنے لئے جو کچھ ہے وہ برکات نگر ہے

اللہ رے یہ اوج یہ طالع یہ مقدر
سنگِ درِ مارہرہ ہے خدام کا سر ہے

آئینۂ عرفاں جو کرے قلبِ سیہ کو
وہ نور بھری احمدِ نوری کی نظر ہے

بستر درِ درگاہِ معلّٰے پہ لگایا
اب اس کے سوا اور کوئی در ہے نہ ہی گھر ہے

کیا بات اگر داورِ محشر سے وہ کہہ دیں
منظور ثنا گر مرا منظورِ نظر ہے

☆☆☆
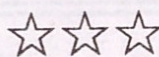
شجرۂ عالیہ قادریہ مقتدریہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی مُطِیْعِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ

یا خدا بہر نبی ﷺ بہر علی رضی اللہ عنہ بہر حسین
بہر زین العابدین و بہر باقر حق نما

جعفر و موسیٰ کاظم موسیٰ ثانی علی
خواجۂ معروف و سری و جنید با خدا

شیخ شبلی خواجہ عبدالواحد بوالفرح پاک
بوالحسن اور بوسعید و حضرت غوث الوریٰ

سید و سلطاں فقیر و خواجہ مخدوم و غریب
بادشاہ و شیخ و درویش و ولی مولائے ما

عبدرزاق و ابو صالح ابو نصر و علی
موسیٰ و سید حسن اور سید احمد با صفا

حضرت شیخ بہاء الدین و شیخ ابرچی
واسطہ حضرت بھکاری و ضیاء الدین کا

یا خدا بہر جمال اولیا سردار خلق
اور پئے سید محمد سید احمد باخدا

شاہ فضل اللہ و پیر برکت اللہ کے لئے
خاطر آل محمد شاہ حمزا مقتدا

شمس دیں اچھے میاں عبدالمجید عین حق
حضرت فضل رسول و مظہر حق حق نما

نائب غوث دو عالم شاہ عبدالمقتدر
پیر و مرشد ہادی کل پیشوا و مقتدا

ان بزرگوں کے تصدق ان بزرگوں کے طفیل
یا الٰہی خاتمہ بالخیر کر دینا مرا

ہے غلام بارگاہ مقتدر منظور بھی
اک نظر اس پر بھی ہو اے قادرِ قدرت نما

☆☆☆

ھوالمقتدر

نبیرۂ سیف اللہ المسلول جگر گوشۂ تاج الفحول خطیب اعظم، مجاہد آزادی

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

کے ۱۲۵/ویں یوم ولادت کے موقع پر

مولانا عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری و

قاضی دانیال انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن اینڈ ٹیکنالوجی

کا

افتتاح

بدست مبارک

تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی

(زیب سجادہ آستانہ قادریہ بدایوں شریف)

بتاریخ ۔ ۴/شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ مطابق ۷/اگست ۲۰۰۸ء بروز بدھ

زیر اہتمام :- انجمن ترقی علوم دینیہ حنفیہ گھنٹہ گھر بدایوں (یو۔پی۔)

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف کی نئی مطبوعات

عقیدۂ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں

سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تسہیل، تخریج، تحقیق: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة

تاج الفحول مولانا عبد القادر قادری بدایونی - ترجمہ، تخریج، تحقیق: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول)

مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی - تسہیل و ترتیب: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

تصحیح العقائد (عقائد اہل سنت)

حضرت مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی - تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

البناء المتین فی احکام قبور المسلمین

حضرت مفتی ابراہیم قادری بدایونی - تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

تذکار محبوب

مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی

مدینے میں (مجموعۂ کلام)

شیخ طریقت حضرت عبد الحمید محمد سالم القادری زیب سجادہ آستانہ قادریہ، بدایوں شریف

مولانا فیض احمد بدایونی

پروفیسر محمد ایوب قادری - تقدیم و ترتیب: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(اردو، ہندی، انگلش) مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

مولانا فیض احمد بدایونی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (ہندی)

تنویر احمد قادری بدایونی